شاہراہِ فکر و عمل پر فہمِ سلف کا چراغ

ماہنامہ

# اَلمَحَجَّة

آن لائن

شمارہ نمبر 06

نومبر-دسمبر 2020

- اسلامی ریاست اور جماعت سازی
- تکفیر کی سنگینی اور اس میں غلو (۲)
- صوفی ازم کی جاہلانہ مایوسی
- سیدنا محمد کریم ﷺ، پیکرِ عفو و درگزر
- تاریخی روایات میں سند؛ واقدی کے تناظر میں
- وراثت میں سے بیٹیوں اور بہنوں کو حصہ دو
- آسمانِ علمِ حدیث کے آفتاب و مہتاب

شیخ محمد علی آدم الاثیوبی رحمہ اللہ

حدیثِ دل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# غم منانے کے لیے نہیں ہوتے...

ہر بندہ خوش رہنے کے لیے پریشان ہے۔خوشی کبھی نازل یا دریافت نہیں ہوتی، ہر حال میں خوش رہنے کی مشق کرنی پڑتی ہے۔ایک نبوی دعا ہے:

"اللهم لا تجعل الدنيا أكبر همنا۔"

''اے اللہ دنیا کو ہمارے غموں کا محور نہ بنا۔''

اسی طرح ایک اور مسنون دعا ہے:

"اللهم إني أعوذبك من الهمّ والحزن۔"

''اے اللہ میں غموں اور سختیوں سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔''

یہ دعائیں کرنی چاہئیں۔کتاب وسنت میں غم کا ذکر منفی پیرائے میں آیا ہے۔غم ایک لت ہے،اس سے ہر ممکن بچنا چاہیے۔

نومبر کا شمارہ نہیں نکل سکا۔اللہ کی مشیت یہی تھی۔ایک پریشانی بن گئی، پھر وہ مستطیر ہوگئی، والحمدللہ علی کل حال۔انسان کی فطرت ہے کہ ایسے لمحوں میں اگلے پچھلے سبھی غم تازہ ہوجاتے ہیں، انسان انہیں ہلکی آنچ پر پکاتا ہے،ان کے حصار میں بند ہوکر اسے عجیب لطف آتا ہے۔مگر خارج میں دنیا مفلوج ہوکر رہ جاتی ہے۔علم،عمل، ذہن،معمولات ہر چیز متاثر ہوجاتی ہے۔مناسب دینی رہنمائی یا گھر بار سے خوشگوار تعلق نہ ہوتو لوگ ڈپریشن کے ہاتھوں نشے کی طرف چل پڑتے ہیں،زندگی سے تنگ آجاتے ہیں۔

جس سال نبی ﷺ کی زوجہ محترمہ سیدہ خدیجہ اور چچا ابو طالب کی وفات ہوئی،سیرت نگاروں کے ہاں وہ سال"عام الحزن"مشہور ہوگیا۔ہمارے استاد ومربی شیخ صالح العصیمی حفظہ اللہ نے"الأرجوزة الميئية في ذكر حال أشرف البرية" کی شرح میں اس بات پر نکیر کی ہے اور اسے اسلام کے عمومی مزاج کے خلاف قرار دیا ہے۔حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے بھی اپنی تصانیف میں جابجا حزن کے مفاسد ذکر کیے ہیں۔وجہ یہ ہے کہ اسلام"غم کو منانے" سے روکتا ہے۔یہ ایک فطری کیفیت ہے،جو ہر انسان کو لاحق ہوسکتی ہے۔لیکن اسلام اسے مستقل روگ بنانے کا قائل نہیں۔

غم کا یہ قاعدہ جس طرح فردی سطح پر لاگو ہوتا ہے اسی طرح قومی سطح پر بھی لاگو ہوتا ہے۔قوموں کی تاریخ میں بڑے سانحات ہوتے ہیں۔لیکن ان سانحات کی مناسبت سے یومِ سیاہ منانا،ان زخموں کو تر وتازہ کرنا،حوصلے پست کرتا ہے۔ہمیں انفرادی وقومی سطح پر اس اپروچ کو بدلنے کی ضرورت ہے کہ غم منانے کی چیز نہیں،پناہ مانگنے کی چیز ہے۔اسلام کا مزاج مایوسی،غم اور خشکی کی بجائے امید،خوشی اور حرارت کا ہے۔

واللہ اعلم بالصواب۔

(فیضان فیصل)

# محتویات


04 اسلامی ریاست اور جماعت سازی — مولانا عبدالغفار حسن رحمانی رحمہ اللہ

13 تکفیر کی سنگینی اور اس میں غلو (۲) — حافظ طاہر بن محمد

20 صوفی ازم کی جاہلانہ مایوسی — خزیمہ ظاہری

23 سیدنا محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم، پیکرِ عفو و درگزر — عادل عبدالرحمن

28 آسمانِ علمِ حدیث کے آفتاب و مہتاب: شیخ محمد علی آدم الاثیوبی رحمہ اللہ — سیف اللہ ثناء اللہ بلتستانی

33 تاریخی روایات میں سند؛ واقدی کے تناظر میں — ابوالوفا محمد حماد اثری

48 وراثت میں سے بیٹیوں اور بہنوں کو حصہ دو — عمران محمدی


## رابطہ برائے تبصرہ و تجاویز / مضامین و مراسلات:


+92 340 600 7170 +92 303 943 8696 +96 658 309 571

almahajjahonline@gmail.com

almahajjahonline


مضمون ہر صورت شمسی ماہ کی 10 تاریخ سے قبل بھیج دیں۔

مضمون پہلے کسی رسالے یا سوشل میڈیا میں شائع نہ ہوا ہو۔

# اسلامی ریاست اور جماعت سازی

مولانا عبدالغفار حسن رحمانی رحمہ اللہ

علامہ، مسند، محدث، شیخ الحدیث، استاذ الاساتذہ مولانا عبدالغفار حسن رحمانی عمرپوری رحمہ اللہ مایہ ناز عالمِ دین تھے۔ آپ ہندوستان، پاکستان اور سعودی عرب کی معروف جامعات سے منسلک رہے۔ دورِ جدید کے متعدد علمائے کرام آپ کے شاگرد ہونے کا اعزاز رکھتے تھے۔ آپ کو بجا طور پر امتِ مسلمہ پر اللہ رب العزت کا انعامِ خاص کہا جا سکتا ہے۔ ان کا یہ مفید مضمون ہفت روزہ الاعتصام (۲۶ اکتوبر۔ ۲ نومبر، ۱۹۸۴) میں شائع ہوا تھا، جسے افادہ عامہ کے لیے ماہنامہ المحجۃ (نومبر، دسمبر ۲۰۲۰) میں دوبارہ شائع کیا جا رہا ہے۔ (سید کلیم بخاری)

اس وقت اہم ضرورت یہ ہے کہ قرآن وسنت کی روشنی میں یہ دیکھا جائے کہ کیا اسلامی ریاست میں مختلف جماعتیں بنانا جائز ہے؟ قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے ابتدائی دور میں تمام بنی آدم ایک ہی اُمت تھے۔ ان میں کوئی اختلاف وانتشار نہ تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ یہ اُمّت فرقوں اور جماعتوں میں بٹ گئی اور آپس میں ایک دوسرے کی دشمن بن گئیں۔

① ﴿كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ وَاللهُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾ (سورۃ البقرہ، آیت نمبر: ۲۱۳)

ترجمہ وتشریح:

''ابتدا میں سب لوگ ایک اُمّت تھے (لیکن پھر اختلاف رونما ہوئے) تب اللہ تعالیٰ نے نبی بھیجے۔ جو راست روی پر بشارت دینے والے، اور کجروی کے نتائج سے ڈرانے والے تھے، اور ان کے ساتھ کتابِ برحق نازل کی تاکہ حق کے بارے میں لوگوں کے درمیان جو اختلافات رُونما ہو گئے تھے ان کا فیصلہ کرے (اور ان اختلافات کے پیدا ہونے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ابتداء میں لوگوں کو حق بتایا نہیں گیا تھا) اختلاف اُن لوگوں نے کیا جنہیں حق کا علم دیا جا چکا تھا، انہوں نے روشن ہدایات پالینے کے بعد محض اس لیے حق چھوڑ کر مختلف طریقے نکالے کہ وہ آپس میں زیادتی کرنا چاہتے تھے۔''

② ﴿وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا﴾ (سورہ یونس، آیت نمبر ۱۹)

''لوگ (ابتداء میں) ایک ہی اُمت تھے لیکن پھر ان میں اختلاف برپا ہو گیا۔''

③ ﴿إِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً﴾ (سورہ الانبیاء، آیت نمبر ۹۲)
﴿وَإِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً﴾ (سورۃ المومنون آیت نمبر ۵۲)

ان آیات سے قبل اللہ تعالیٰ نے متعدد انبیاء کرام کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اور پھر ارشاد ہوا کہ یہ تمہاری اُمت ہے ایک ہی اُمت، یعنی سب کا دین اور عقیدہ ایک ہی تھا۔ اس لحاظ سے وہ ایک ہی اُمت تھے۔ یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ انبیاء کرام مختلف زمانوں میں گزرے۔ اس کے باوجود ان کو ایک ہی اُمّت قرار دیا گیا ہے۔

مشہور عالم لغت، راغب اصفہانی اپنی مستند کتاب مفردات القرآن میں لکھتے ہیں:

"الأمّة: كُلُّ جماعة يَجمَعُهُم أمر مَا، إمّا دِينٌ وَاحِدٌ أوْ زَمَانٌ وَاحِدٌ أوْ مَكَانٌ وَاحِدٌ."

''اُمّت ہر اُس جماعت کو کہتے ہیں جس کے افراد کے درمیان ایک دین مشترک ہو، یا وہ ایک زمانے میں پائے جاتے ہوں، یا ایک جگہ موجود ہوں۔''

اس وضاحت سے ظاہر ہوا کہ اگر چند افراد کے درمیان، عقیدہ یا نظریہ مشترک ہو تو ان افراد پر ''اُمّت'' کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ خواہ وہ آج کل کی مذہبی سیاسی جماعتوں کی طرح منظم نہ ہوں۔ تنظیم کا مفہوم، لفظِ اُمت کے معنیٰ کا جزء نہیں ہے اور نہ اس کی حقیقت کو شامل ہے۔ ان معروضات کی تائید حسبِ ذیل آیت سے بھی ہوتی ہے۔

﴿وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً﴾

''جب موسیٰ مدین کے کنویں پر پہنچے تو لوگوں میں سے ایک اُمت کو وہاں پایا۔'' (سورہ قصص، آیت نمبر ۲۳)

جو افراد وہاں جمع تھے۔ سب کا ایک ہی مقصد تھا یعنی کنویں سے پانی حاصل کرنا، اس لیے اُن کو ایک اُمّت قرار دیا گیا۔ کیا وہ آج کی پارٹیوں کی طرح منظّم بھی تھے؟

مذکورہ بالا وضاحت کے بعد اب آیت ﴿وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ﴾ میں وارد لفظ ''اُمّت'' کا مفہوم سمجھنے میں کوئی دشواری پیش آسکتی۔ اس آیت کو آج کل کے ''مذہبی'' فرقوں یا سیاسی پارٹیوں پر چسپاں کرنا درست نہیں ہے کیونکہ اس آیت سے قبل فرمایا گیا ہے:

④ ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾ (سورہ آل عمران، آیت نمبر ۱۰۳)
''اللہ تعالیٰ کی رسی (قرآن مجید) کو سب اکٹھے ہو کر مضبوطی سے پکڑو اور (آپس میں) سے فرقہ بازی سے بچو۔''

نیز اس کے بعد فرمایا:

⑤ ﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾
(سورہ آل عمران، آیت نمبر ۱۰۵)

''اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو فرقوں میں بٹ گئے اور اختلافات کا شکار ہو گئے واضح ہدایت پانے کے بعد، یہ لوگ ہیں جن کے لیے بڑا عذاب ہے۔''

اصل واقعہ یہ ہے کہ قرآن مجید کا مطالبہ ہے کہ ملتِ اسلامیہ ایک اُمّت بن کر رہے۔ اور مختلف پارٹیوں میں بٹ کر افتراق وانتشار کا شکار نہ ہو۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ (سورہ آل عمران، آیت نمبر ۱۱۰)

''بہترین اُمت تم ہو، جسے انسانوں کی ہدایت کے لیے برپا کیا گیا ہے۔''

اس آیت میں پوری اُمّتِ مسلمہ کو خیر اُمّت (بہترین اُمت) قرار دیا گیا ہے۔

⑥ قرآن مجید میں یہ بات واضح طور پر بتا دی گئی ہے کہ حق و باطل کے لحاظ سے دنیا میں صرف دو گروہ ہیں: ① حزب اللہ ② حزب الشیطان، جیسا کہ فرمایا:

﴿اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ أُولَئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ﴾ (سورہ مجادلہ آیت نمبر ۱۹)

''شیطان ان پر غالب آ گیا ہے اور اس نے خدا کی یاد ان کے دل سے بھلا دی ہے، وہ شیطان کی پارٹی کے لوگ ہیں۔''

دوسرے گروہ کے بارے میں فرمایا:

﴿رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُولَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (سورہ مجادلہ آیت نمبر ۲۲)

''اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی جماعت ہیں۔ سُنو! اللہ کی جماعت ہی فلاح پانے والی ہے۔''

شیطان اپنی پارٹی کو کدھر بھیجتا ہے، اس کا جواب بھی قرآن مجید نے دے دیا ہے:

﴿إِنَّمَا يَدْعُو حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ السَّعِيرِ﴾ (سورۃ فاطر آیت نمبر ۶)

''وہ تو اپنے گروہ کو (اپنے راستے پر) اس لیے بُلا رہا ہے کہ وہ دوزخیوں میں شامل ہو جائے۔''

حزب الشیطان یعنی شیطان کی پارٹی اپنی فاسد اغراض کی بنا پر مختلف جماعتوں اور گروہوں میں بٹ گئی۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ ○ فَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُم بَيْنَهُمْ زُبُرًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ○﴾ (سورہ المومنون آیت نمبر ۵۳، ۵۲)

''یہ انبیاء کی جماعت ایک اُمت ہے۔ اور میں تمہارا رب ہوں تو مجھ سے ڈرو، مگر بعد میں لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ ہر گروہ کے پاس جو کچھ ہے وہ اُسی میں مگن ہے۔''

افسوس ہے کہ اُمتِ مسلمہ کو وحدت کا سبق سکھایا گیا تھا، لیکن وہ مختلف فرقوں اور متحارب پارٹیوں میں تقسیم ہو گئی حالانکہ قرآن مجید نے اس قسم کی فرقہ بندی، جماعت سازی اور پارٹی بازی سے منع فرمایا ہے۔

⑦ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ○ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا﴾

''مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ، ان لوگوں میں سے جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور پارٹیوں میں بٹ گئے۔''

دین کو ٹکڑے کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ دین کے تمام اجزاء کو یکساں اہمیت دینے کے بجائے اپنے ذوق کے مطابق کسی ایک جُز کو اہمیت دی جائے اور باقی اجزاء کو نظر انداز کر دیا جائے جس کا نتیجہ نکلا کہ ہر فرقہ یا جماعت کا پسندیدہ جُز اُس کا شعار بن گیا اور دوسرے اجزاء کے تقاضے نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ اسی مفہوم کو قرآن مجید نے دوسری جگہ ان الفاظ میں ادا کیا ہے:

﴿الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ﴾ (سورہ الحجر آیت نمبر ۹۱)

''قرآن مجید کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔''

یعنی اس کتاب کو جو قرآن مجید کی طرح ان کو دی گئی تھی ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اس کے کسی حصہ کی پیروی کی اور کسی حصہ کو پس پشت ڈال دیا۔

اس سے قبل ضمنی طور پر اس آیت کا حوالہ دیا گیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا﴾ (سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۰۵)

''ان لوگوں کی طرح نہ ہو جو تفرقہ اور اختلاف کا شکار ہو گئے۔''

مطلب یہ ہے کہ اہلِ کتاب مختلف فرقوں میں بٹ گئے اور بہت سی جماعتوں میں تقسیم ہو گئے۔ مسلمان ان کا طریقہ اختیار نہ کریں۔

اس آیت کی تشریح حدیث میں اس طرح آئی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری اُمّت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ یہ تمام فرقے دوزخ کا ایندھن بنیں گے مگر ایک ملت (جماعت) اس عذاب سے محفوظ رہے گی۔ لوگوں نے دریافت کیا وہ کونسی جماعت ہے؟ آپ نے فرمایا:

''مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي.''[1]

یعنی ''جو جماعت اس طریقے پر قائم رہے گی جس پر میں اور میرے صحابہ قائم ہیں۔ حقیقت میں وہی نجات یافتہ ہیں۔''

یہ روایت حدیث کی متعدد کتابوں میں مذکور ہے۔ مثلاً ① ابوداوٗد کتاب السنۃ، ② ابن ماجہ کتاب الفتن، ③ مسند احمد ج ۲ صفحہ ۳۳۲، اور ج ۳ صفحہ ۱۲۵۔

ایک دوسری روایت میں ہے:

''وهي الجماعة.''

یعنی ''نجات پانے والا گروہ وہی الجماعۃ ہے۔''

حدیث کی مشہور کتاب طبرانی میں ابوامامہ سے مروی ہے کہ یہ سب فرقے ضلالت و گمراہی میں مبتلا ہوں گے مگر ''سوادِ اعظم''۔ صحابہ نے دریافت کیا: ''سوادِ اعظم'' کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جو میرا اور میرے صحابہ کا طریقہ اختیار کریں گے، وہی ''سوادِ اعظم'' ہیں۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ ''الجماعۃ''، ''سوادِ اعظم'' اور ''ما أنا علیه و أصحابي'' سب کا مصداق ایک ہی ہے۔

عباراتنا شتّٰی وحسنك واحد
وكُلٌّ الىٰ ذاك الجمال يُشير

''الجماعۃ'' کا لفظ جہاں کہیں بھی آیا ہے وہاں یہی مفہوم مراد ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں آتا ہے:

''إنّ الله لَا يجمَعُ أُمَّتِي عَلى ضَلَالَةٍ، وَيَدُ اللهِ مَعَ الجماعَةِ، وَمَنْ شَذَّ شَذَّ إِلَى النَّارِ.''

''میری اُمّت کو ضلالت پر اللہ تعالیٰ جمع نہیں فرمائے گا اور ''الجماعۃ'' پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے، اور جو الگ ہو گیا تو وہ دوزخ میں

[1] جامع ترمذی: ابواب الایمان؛ باب افتراق الامۃ، حدیث نمبر ۲۷۷۸، طبع مصر

بھی تنہا ہی ہوگا۔"

اس حدیث کی تشریح شارحین نے ان الفاظ میں کی ہے:

قال الجزري: "أي أن الجماعة المتفقة من أهل الإسلام في كنف الله ووقايته فوقهم، وهم بعيد عن والخوف والأذى.... الخ"

یعنی "الجماعۃ سے مسلمانوں کی اتفاق والی جماعت مراد ہے۔ یہ جماعت اللہ تعالیٰ کی پناہ اور حفاظت میں رہے گی اور خوف و تکلیف سے دور رہے گی۔"

لغت حدیث کی مشہور کتاب مجمع البحار میں علامہ الفتنی رقمطراز ہیں:

"أي سكينته ورحمته مع المتفقين وهم بعيد من الخوف والأذىٰ والإضطراب فإذا تفرقوا زال السكينة وأوقع بأسهم بينهم وفسد الأحوال."

یعنی: "(يد الله على الجماعة) کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رحمت وسکینت ان پر نازل ہوتی ہے جو آپس میں اتفاق واتحاد رکھتے ہیں۔ اور یہ لوگ خوف والم اور اضطراب سے محفوظ رہتے ہیں اور جب یہ تفرقہ اور انتشار کا شکار ہوجاتے ہیں تو سکون واطمینان کی نعمت ان سے چھن جاتی ہے اور ان کے درمیان آپس میں جنگ برپا ہوجاتی ہے اور ان کے حالات میں فساد و بگاڑ رونما ہوجاتا ہے۔" [1]

کیا جنگ وجدال اور فساد وانتشار کی حالت آج کل مذہبی فرقوں اور سیاسی پارٹیوں میں نہیں پائی جاتی۔ جس طرح اہلِ کتاب میں ایک فرقہ دوسرے کا دشمن تھا۔ یہی حال ہمارے ہاں فرقوں اور پارٹیوں کا ہے۔ خاص طور پر الیکشن کے زمانے میں تو یہ اختلاف وعناد نقطۂ عروج پر پہنچ جاتا ہے اور گہرے پشتینی دوست ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوجاتے ہیں۔ حدیث مذکور میں "يد الله على الجماعة" فرمایا گیا ہے، "يد الله على الجماعات" نہیں فرمایا گیا۔ موجودہ حالات میں نہ صرف ہمارے ملک میں بلکہ تمام عالمِ اسلام میں اُمّت کا شیرازہ بکھرا ہوا ہے اور متحارب گروہوں اور پارٹیوں نے ایک طوفان بدتمیزی بپا کیا ہوا ہے۔ یہ آپس کی محاذ آرائی بھی اپنے ہی اعمال کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا عذاب اس طرح بھی قوموں پر آتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰٓ أَن يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّن فَوْقِكُمْ أَوْ مِن تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَيُذِيقَ بَعْضَكُم بَأْسَ بَعْضٍ﴾ (سورۃ الانعام آیت نمبر ٦٥)

"اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اپنا عذاب تم پر اُوپر سے نازل کرے یا تمہارے قدموں نیچے سے لائے یا تم کو ٹولیوں میں تقسیم کردے کہ پھر تم میں سے ایک دوسرے کو جنگ وجدال کا مزہ چکھائے۔"

یہی وہ عذاب تھا جو فرعون کے ہاتھوں بنی اسرائیل پر مسلط کیا گیا تھا۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا﴾ (سورہ قصص آیت نمبر ٤)

"بے شک فرعون نے زمین میں برتری اختیار کی اور اُس کے باشندوں کو پارٹیوں اور ٹولیوں میں بانٹ دیا۔"

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، ج ا صفحہ ١٦٧ بحوالہ مجمع البحار، والنہایۃ ابن اثیر الجزری۔

موجودہ دور میں فرعون کی جگہ جمہوری نظام نے لے لی ہے۔

آج کل پارٹیاں حزبِ اقتدار اور حزبِ اختلاف کے نام سے بٹی ہوئی ہیں۔ جمہوریت کا خاصا یہی ہے کہ ملک کے باشندے جنگ و جدال اور فساد وعناد کے نشہ میں مدہوش رہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ

﴿أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ﴾ (سورۃ الشوریٰ آیت نمبر ۱۳)

''تمام انبیاء کرام کی بعثت کا مقصد یہی رہا کہ دین قائم کرو اور فرقہ بندی سے بچو۔''

اس آیت سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ اقامتِ دین کا کام فرقہ وارانہ ذہنیت اور دھڑے بندیوں کے ساتھ نہیں ہوسکتا، آج کل صورتِ حال یہ ہے کہ ہر ذہین یا متحرک آدمی ملک وملت یا دین مذہب کے نام پر کوئی جماعت یا گروپ قائم کر لیتا ہے۔ اس قسم کی جماعت سازی اور پارٹی بازی کی ذہنیت نے اُمّت کو مزید انتشار وافتراق میں الجھا دیا ہے۔

شیطان کی ازل سے خواہش یہی رہی ہے کہ آدم کی اولاد ہر وقت لڑتی جھگڑتی رہے اور ان میں کبھی بھی اتحاد و اتفاق کی شکل پیدا نہ ہو۔ جیسا کہ حدیث میں ہے، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ أَيِسَ أَنْ يَعْبُدَهُ المصلُّونَ فِي جَزِيرَةِ الْعَرَبِ ولكِن في التَّحْرِيشِ بَيْنَهُم.''

''شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ جزیرہ عرب کے نمازی مسلمان اس کی پرستش کریں۔ ہاں ان کو آپس میں لڑانے کی توقع رکھتا ہے، بلکہ عملاً وہ اس کام میں لگا رہتا ہے۔''

جماعتی تعصّب اور فرقہ وارانہ تنگ نظری کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان صرف اپنے گروہ کو حق پر سمجھتا ہے اور دوسروں کو باطل پرست قرار دیتا ہے۔ روزانہ، کافر، مشرک اور گستاخ کے القاب سے ایک دوسرے کو نوازا جاتا ہے۔ کہیں سیاسی زبان میں وطن سے غداری اور ملت فروشی کا طعنہ دیا جاتا ہے۔ یہی وہ غرور ونخوت اور جاہلی عصبیت ہے۔ جس سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے:

''کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی ہے کہ مسلمان آپس میں تواضع سے کام لیں۔ کوئی کسی پر فخر ونخوت کا اظہار نہ کرے اور نہ کوئی کسی پر ظلم وزیادتی کرے۔''

دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ عصبیت کس چیز کا نام ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''أن تُعينَ قومَكَ على الظُّلم.''

یعنی ''تو ظلم پر اپنی قوم کی مدد کرے۔''

ایک اور روایت میں ہے کہ

''حُبُّكَ الشيءَ يُعْمِي ويُصِمّ.''

یعنی ''کسی شے کی محبت انسان کو اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے۔''

آج کل کے نظام جمہوری میں ملک کے باشندے یا ان کے نمائندے کم سے کم دو دھڑوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔

① حزب اقتدار ② حزب اختلاف۔ حالانکہ اسلام اس طرح کی تقسیم کا قطعاً روادار نہیں ہے۔ یہ دونوں گروہ اپنی اپنی پارٹی کی عصبیت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اُن کی پارٹی کا آدمی خواہ کیسی ہی غلط بات کہے اور کیسا ہی برا فعل انجام دے اس کی حمایت کی جائے گی۔ یا کم از

کم اس سے چشم پوشی برتی جائے گی۔اس کے برعکس مخالف پارٹی کی جانب سے خواہ کیسی ہی مفید تجویز پیش کی جائے اس کی مخالفت کی جائے گی یا کم ازکم اس کی تائید وحمایت میں جوش اور سرگرمی کا مظاہرہ نہیں کیا جائے گا۔موجودہ دور میں کی فرقہ وارانہ دھڑے بندیاں اور سیاسی برتری کے لیے پارٹی بازی قرآن وسنت کی تصریحات کے یکسر خلاف ہیں۔قرآنی آیات سابقہ صفحات میں پیش کی جا چکی ہیں۔اب چند احادیث بیان کی جاتی ہیں۔

① ”تَرى المؤْمِنِينَ في تَراحُمِهِمْ وتَوادِّهِمْ وتَعاطُفِهِمْ، كَمَثَلِ الجَسَدِ، إذا اشْتَكى عُضْوًا تَداعى له سائِرُ جَسَدِهِ بالسَّهَرِ والحُمّى.“

یعنی ”تم مسلمانوں کو آپس میں محبت وشفقت کے لحاظ سے ایک بدن کی طرح دیکھو گے۔اگر جسم کا ایک عضو درد محسوس کرتا ہے تو سارا جسم سراپا درد بن جاتا ہے۔“

② ”المؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كالْبُنْيانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا.“

”ایک مومن دوسرے مومن کے لیے عمارت کی طرح ہے کہ وہ ایک دوسرے کو سہارا دیتے ہیں۔“

صحابہ کرام مجلس شوریٰ میں کھلے دل سے بیٹھتے تھے، جو تجویز ان کے نزدیک دلیل کے لحاظ سے قوی ہوتی اس کی تائید کرتے اور جو اس کے برعکس ہوتی اس کے بارہ میں اختلاف کا اظہار کرتے۔ان کے درمیان پارٹی بازی اور دھڑے بندی کا کوئی وجود ہی نہ تھا۔مہاجر و انصار سب شیر وشکر تھے، مہاجرین اور انصار آج کل کی طرح سیاسی پارٹیوں میں بٹے ہوئے نہ تھے۔یہ مہاجر اور انصار کے القاب وصفی نام تھے جو ان کو ان کے عمل کی بنا پر قرآن مجید میں دیئے گئے تھے۔ہاں جب خلافتِ راشدہ کے آخری دور میں سیاسی تقاضوں نے شدت اختیار کی تو سب سے پہلے خوارج کے ظہور سے اُمت میں انتشار رونما ہوا اور پھر یہ بڑھتا ہی چلا گیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ پاکستان میں وحدتِ اُمّت کے تصوّر کو اجاگر کرنے اور فرقہ بندی اور سیاسی پارٹی بازی کو ختم کرنے کی ضرورت ہے۔اگر یہ شر فوری طور پر ختم نہیں ہو سکتا تو کم ازکم اس کی حوصلہ افزائی بھی نہ کی جائے۔ورنہ شدید خطرہ ہے کہ انتخابات کی صورت میں گروہی عصبیت کو مزید تقویت حاصل ہوگی اور باہمی فساد وعناد میں مزید اضافہ ہوگا۔میں اپنے مطالعے اور تجربے کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ الیکشن کا موجودہ طریقہ اسلامی مزاج کے یکسر خلاف ہے۔اگر انتخابات ملکی مصالح کے لحاظ سے ضروری سمجھے جائیں تو انتخابات کے نظام کو غلط عناصر سے پاک کرنا ضروری ہے۔مثلاً کنویسنگ اور اقتدار طلبی کے لیے دوڑ دھوپ کو یکسر ممنوع قرار دیا جائے اور ممبری یا وزارت کے لیے روپیہ خرچ کرنے یا دھونس دھاندلی سے کام لینے کو جرم ٹھہرایا جائے۔محلے والے خود اپنے حلقے سے مخلص، محنتی اور تجربہ کار افراد کا انتخاب کریں اور حکومت ذرائع ابلاغ سے کام لیتے ہوئے ان کا تعارف کرائے۔ممبری کے لیے اشتہار بازی، جلسہ، جلوس کو بھی ممنوع قرار دیا جائے۔یہ سب کام غیر جماعتی بنیادوں پر ہونا چاہیے۔جماعت سازی یا گروپ بندی، نہ الیکشن سے قبل اس کی اجازت دی جائے اور نہ الیکشن میں کامیابی کے بعد مجلسِ شوریٰ میں اس کا موقع دیا جائے۔

آخر میں اتنی گزارش ہے کہ کیا وجہ ہے کہ تمام جماعتوں کا ایک ہی مقصد ہے یعنی اسلامی نظام کا قیام، اور سب نے الیکشن ہی کو اس کا ذریعہ قرار دیا ہے۔اور موجودہ حکومت نے بھی بحالیٔ جمہوریت کا اعلان کر دیا ہے۔اور اس کا مقصدِ وحید بھی دینِ اسلام کا فروغ اور غلبہ ہے، اور اس کے لیے اس نے کئی اقدامات بھی کیے ہیں۔اب کون سی رکاوٹ ہے کہ سب سیاسی جماعتیں اور موجودہ حکومت کے ذمہ دار افراد ایک

جماعت کی لڑی میں منسلک ہوجائیں اور ایک ہی اُمّت کا روپ دھار لیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فرقہ بندی اور سیاسی عصبیت کی شدت نے ہر ایک کو ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانے پر مجبور کر دیا ہے۔ اتحاد ادغام تو بڑی بات ہے۔ اسلام کی خاطر باہمی تعاون وتناظر کی صورت بھی نظر نہیں آتی۔

اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جب کسی مجموعۂ اشیاء پر ایک مرتبہ تفریق کا عمل جاری ہوجائے تو پھر وہ کسی حد پر نہیں رُکتا بلکہ تفریق در تفریق کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ یہی حال اُمّتوں اور قوموں کا ہے۔ اگر اُمّت میں ایک مرتبہ تفریق کا عمل شروع ہوجائے تو اسے روکا نہیں جاسکتا۔ آج کل ہمارے ہاں سیاسی پارٹیوں اور ''مذہبی'' فرقوں کا یہی حال ہے کہ ایک ہی پارٹی کئی گروہوں اور گروپوں میں بٹ گئی ہے۔ یہ تفریق در تفریق کا عمل صرف سیاسی جماعتوں کے ساتھ خاص نہیں بلکہ مذہبی تنظیموں اور جماعتوں کا بھی یہی حال ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دَور میں جب سیاسی انتشار رونما ہوا۔ تو سب سے پہلے خوارج نمودار ہوئے اور پھر دوسری جماعتوں نے سر اٹھایا، اس طرح تفریق وانتشار بڑھتا ہی چلا گیا۔ آج کل عالمِ اسلام میں مسلمانوں کا جو حال ہے اس کا نقشہ ذیل کے شعر میں ملاحظہ کیجئے:

تَشعّبُوا شعبًا فكلّ مدينة

فيها أمير المؤمنين ومنبر

یعنی ''لوگ گروہوں میں بٹ گئے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر شہر میں امیر المؤمنین اور منبر جلوہ فرما ہیں۔''

پاکستان کا تو یہ حال ہے کہ یہاں اکثر بڑے بڑے شہروں میں متعدد مذہبی امیر المؤمنین اور سیاسی امام المسلمین پائے جاتے ہیں اور ان کی پارٹیاں یا جماعتیں اپنی جگہ مستقل اُمتیں ہیں۔ اسی لیے ایک جماعت کا رکن دوسری پارٹی کا ممبر نہیں بن سکتا۔ اور عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ پارٹی کا انتخابی منشور دیکھو۔ اس کے ارکان یا افراد کو نہ دیکھو۔ ایک مشہور سیاسی پارٹی کے بارہ میں کہا گیا تھا کہ اگر اس کی قیادت کی طرف سے کھمبے کو بھی ٹکٹ مل جائے تو اس کو ووٹ دینا ملّی فریضہ ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جمہوری نظام میں کردار کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ صرف گفتار اور تعداد کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ علامہ اقبال مرحوم نے کہا ہے:

جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں

بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

''يد الله على الجماعة'' کی تشریح گزشتہ صفحات میں کی جا چکی ہے۔ یہاں ایک اہم حوالہ کا ذکر فائدے سے خالی نہ ہوگا۔

قال الترمذي: "وتفسير الجماعة عند أهل العلم، هم أهل الفقه والعلم والحديث". سئل ابن المبارك من الجماعة؟ فقال: أبوبكر وعمر، قيل له: قد مات ابوبكر وعمر؟ قال: فلان وفلان. قال ابن مسعود: الجماعة ما وافق الحق؛ وإن كنت وحدك.

''امام ترمذی کا قول ہے کہ اہل علم کے نزدیک جماعت سے مراد اصحابِ فقہ وحدیث اور علماءِ دین ہیں۔ عبداللہ بن مبارک سے سوال کیا گیا کہ ''جماعۃ'' کون ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: ابوبکر، عمر۔ لوگوں نے کہا کہ وہ تو وفات پا چکے ہیں۔ انہوں نے کہا: فلاں اور فلاں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: الجماعۃ وہ ہے جو حق کی موافقت کرے خواہ تُو اکیلا ہی ہو۔'' [1]

---

[1] رواه ابن عساكر في تاريخ دمشق بسند صحيح عنه، 2/322/13

خلاصہ یہ ہے کہ آج کل کی خواہ ''مذہبی'' امارتیں ہوں یا سیاسی تنظیمیں، ان سب کا نتیجہ اُمّتِ اسلامیہ میں تفریق درتفریق کی شکل میں ظاہر ہورہا ہے۔ان کے نقصانات اور مفاسد، مصالح اور فوائد سے کہیں زیادہ ہیں۔اس لیے ایک اسلامی ریاست میں تعلیمی، تصنیفی، تبلیغی اور رفاہی ادارے﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ﴾اور﴿بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ﴾کی بنیاد پر قائم کیے جاسکتے ہیں۔لیکن تنظیمی ڈھانچے کھڑے کرنے اور ہر ذہین یا متحرک شخصیت کا ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد بنانے کا شرعاً کوئی جواز نظر نہیں آتا۔

﴿فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ﴾(الزمر: ۱۷،۱۸)

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

# تکفیر کی سنگینی اور اس میں غلو(۲)

حافظ طاہر بن محمد



## پانچواں قاعدہ: تکفیر کے مسائل میں پڑنے سے ممانعت:

قرآن وسنت کی بے شمار نصوص میں تکفیر کرنے پر سختی سے ممانعت اور اس کے نقصان واثرات سے ڈرایا گیا ہے، انہیں میں سے بعض نصوص جن میں اللہ تعالی کا خوف رکھنے والے کو اس خطرناک میدان میں غور وخوض کرنے پر سختی سے ممانعت کی گئی ہے، ذیل میں درج ہیں:

☆ جہالت کی وجہ سے تکفیر کرنے والا درحقیقت اللہ تعالی پر بغیر علم کے بات گھڑنے والا ہے اور اللہ تعالی کی طرف بلاعلم بات منسوب کرنے کی سنگینی کے متعلق کئی ایک نصوص ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾

''کہہ دیجئے! بے شک میرے رب نے ظاہری وباطنی بے حیائی، گناہ وسرکشی کو حرام کردیا ہے اور یہ کہ تم اللہ تعالی کے ساتھ اسے شریک ٹھہراؤ جس کی اس نے کوئی دلیل نہیں اتاری، اور یہ کہ تم اللہ تعالی پر وہ بات کہو جو تم نہیں جانتے۔'' [1]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"إِنَّ الرَّجلَ لَيَتَكَلَّمُ بِالكَلِمَةِ لا يَرَى بِهَا بَأْسًا يَهْوِي بِهَا سَبْعِينَ خَرِيفًا فِي النَّارِ."

''بسا اوقات آدمی ایسی بات کرتا ہے جسے وہ معمولی سمجھتا ہے اس کے سبب ستر سال تک جہنم میں گرتا چلا جاتا ہے۔'' [2]

اسی طرح کسی غیر مستحق پر کلمہ کفر کا اطلاق مذموم القابات دینے کے مترادف ہے، اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ﴾

''اور کسی کو برے القاب نہ دو کیونکہ ایمان لانے کے بعد فسق میں نام پیدا کرنا بری بات ہے۔'' [3]

اس آیت میں اللہ تعالی نے برے القاب دینے سے منع کیا ہے اور ممانعت حرمت پر دلالت کرتی ہے کہ جب تک کوئی قرینہ صارفہ نہ ہو جیسا کہ اہل علم کے ہاں ثابت شدہ قاعدہ ہے اور کسی پر کافر وفاسق جیسے الفاظ کا اطلاق بھی برے القاب میں سے ہے۔

حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

[1] (الاعراف:33)

[2] (سنن الترمذی:2314)

[3] (الحجرات:11)

"فَقَالَ جماعةٌ مِنَ المفَسّرِينَ في هَذِهِ الْآيَةِ هُوَ قَوْلُ الرَّجُلِ لِأَخِيهِ يَا كَافِرُ يَا فَاسِقُ."

''مفسرین کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ اس آیت سے مراد کسی بندے کا اپنے بھائی کو''اے کافر'' یا ''اے فاسق'' کہنا ہے۔'' [1]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"سِبَابُ المسْلِمِ فُسُوقٌ، وَقِتَالُهُ كُفْرٌ."

''مسلمان کو گالی دینا فسق اور اس سے قتال کرنا کفر ہے۔'' [2]

اسی طرح تکفیر کرنے والا اپنے آپ کو ہلاکت وفساد میں ڈال دیتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی تکفیر کرنے والوں کو دین سے نکل جانے کی شدید وعید سنائی ہے۔ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إِنَّ مَا أَتَخَوَّفُ عَلَيْكُمْ رَجُلٌ قَرَأَ الْقُرْآنَ حَتَّى إِذَا رُئِيَتْ بَهْجَتُهُ عَلَيْهِ وكان رِدْءاً لِلْإِسْلَامِ غَيَّرَهُ إِلَى مَا شَاءَ اللَّهُ فَانْسَلَخَ مِنْهُ وَنَبَذَهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ وَسَعَى عَلَى جَارِهِ بِالسَّيْفِ وَرَمَاهُ بِالشِّرْكِ) قَالَ: قُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللَّهِ أَيُّهُمَا أَوْلَى بِالشِّرْكِ المرْمِيُّ أَمِ الرَّامِي؟ قال: (بل الرامي)."

''میں تمہارے متعلق اس شخص سے ڈرتا ہوں کہ جس نے قرآن پڑھا یہاں تک کہ اس پر اس کا حسن واضح ہو گیا اور وہ اسلام کے لیے مددگار بن گیا پھر جیسے اللہ تعالیٰ کو منظور تھا اس نے اسے تبدیل کر دیا، وہ اس سے نکل گیا اور اسے پس پشت ڈال دیا اور اپنے ہی پڑوسی پر تلوار لے کر چڑھ دوڑا، اس پر شرک کا الزام دھر دیا، صحابی فرماتے ہیں میں نے عرض کی: اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اب ان دونوں میں سے مشرک کون ہے، مشرک کہنے والا یا جسے مشرک کہا گیا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلکہ مشرک کہنے والا۔'' [3]

☆ تکفیر کی قباحت اور برے انجام پر یہ بات بھی ہماری راہ نمائی کرتی ہے کہ جسے کافر کہا گیا ہو اگر وہ مستحق نہ ہو تو یہ کہنے والے پر ہی لوٹ آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے۔ آمین

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِأَخِيهِ يَا كَافِرُ، فَقَدْ بَاءَ بِهِ أَحَدُهُمَا."

''جب کوئی اپنے بھائی کو کافر کہہ کر پکارتا ہے تو ان دونوں میں سے ایک کفر کا مستحق ہو جاتا ہے۔'' [4]

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] (الاستذکار: 549/8)

[2] (صحیح البخاری: 48، صحیح مسلم: 64)

[3] (صحیح ابن حبان: 81، السلسلہ الصحیحۃ للالبانی: 3201)

[4] (صحیح البخاری: 6103)

”أَيُّمَا رَجُلٍ قَالَ لِأَخِيهِ يَا كَافِرُ، فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا.“

”جس نے اپنے کسی بھائی کو کافر کہا تو ان دونوں میں سے ایک کفر کا مستحق ہو گیا۔“ [1]

حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”بَاءَ بِهَا أَيِ احْتَمَلَ وِزْرَهَا وَمَعْنَاهُ أَنَّ الْكَافِرَ إِذَا قِيلَ لَهُ يَا كَافِرُ فَهُوَ حَامِلٌ وِزْرَ كُفْرِهِ وَلَا حَرَجَ عَلَى قَائِلِ ذَلِكَ لَهُ وَكَذَلِكَ الْقَوْلُ لِلْفَاسِقِ يَا فَاسِقُ وَإِذَا قِيلَ لِلْمُؤْمِنِ يَا كَافِرُ فَقَدْ بَاءَ قَائِلُ ذَلِكَ بِوِزْرِ الْكَلِمَةِ وَاحْتَمَلَ إِثْمًا مُبِينًا وَبُهْتَانًا عَظِيمًا إِلَّا أَنَّهُ لَا يَكْفُرُ بِذَلِكَ لِأَنَّ الْكُفْرَ لَا يَكُونُ إِلَّا بِتَرْكِ مَا يَكُونُ بِهِ الْإِيمَانُ.“

”(باء بها) یعنی اس نے اس کا بوجھ اٹھایا۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کافر، کافر کہہ کر پکارا جائے اور وہ اپنے کفر کا بوجھ اٹھانے والا ہو تو کہنے والے پر کوئی حرج نہیں اسی طرح فاسق کو فاسق کہنے سے۔ لیکن اگر کسی مومن کو کافر کہہ کر پکارا جائے تو خود قائل ہی اس کا بوجھ اٹھاتا ہے اور وہ واضح گناہ اور بہتان عظیم کا مرتکب ہوتا ہے۔ مگر وہ اس سے خود کافر نہیں بنتا کیونکہ کفر تو ایمانیات کے ترک سے ہوتا ہے۔“ [2]

سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ:

”لَا يَرْمِي رَجُلٌ رَجُلًا بِالْفُسُوقِ، وَلَا يَرْمِيهِ بِالْكُفْرِ، إِلَّا ارْتَدَّتْ عَلَيْهِ، إِنْ لَمْ يَكُنْ صَاحِبُهُ كَذَلِكَ.“

”جب کوئی کسی پر فسق یا کفر کا الزام لگاتا ہے تو یہ اسی کی طرف پلٹ آتا ہے اگر وہ شخص اس کا مستحق نہیں ہوتا۔“ [3]

صحیح مسلم کی حدیث میں ہے:

”وَمَنْ دَعَا رَجُلًا بِالْكُفْرِ، أَوْ قَالَ: عَدُوَّ اللهِ وَلَيْسَ كَذَلِكَ إِلَّا حَارَ عَلَيْهِ.“

”جو کسی کو کافر یا اللہ کا دشمن کہہ کر پکارتا ہے، اور وہ ایسا نہیں تو یہ قول اسی کی طرف لوٹ آتا ہے۔“ [4]

## چھٹا قاعدہ: اہل قبلہ کی کسی گناہ کی وجہ سے تکفیر نہیں کی جائے گی جب تک وہ اسے حلال نہ جانے:

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ اہل السنہ والجماعہ کا اجماع ہے کہ وہ کسی اہل قبلہ کی کسی گناہ کی وجہ سے تکفیر نہیں کرتے جب تک وہ اسے گناہ کو حلال نہیں سمجھتا۔

امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَلَا نُكَفِّرُ أَحَدًا مِنْ أَهْلِ الْقِبْلَةِ بِذَنْبٍ مالم يستحله.“

---

[1] (صحیح البخاری: 6104، صحیح مسلم: 111)

[2] (الاستذکار: 549/8)

[3] (صحیح البخاری: 6045)

[4] (صحیح مسلم: 112)

’’ہم اہل قبلہ میں سے کسی کی کسی گناہ کی وجہ سے تکفیر نہیں کرتے جب تک وہ اسے حلال نہ سمجھے۔‘‘ [1]

امام ابن ابی العز رحمہ اللہ، امام طحاوی رحمہ اللہ کے قول کی شرح میں فرماتے ہیں:

’’مسئلہ تکفیر وعدم تکفیر ایسا مسئلہ ہے جس میں فتنے اور آزمائشیں بڑھ گئی ہیں اور اس میں اختلاف بہت بڑھا ہے، اس کے متعلق آراء واہواء بہت مختلف ہیں اور اس میں ان کے دلائل متعارض ہیں۔۔۔۔اور بعض لوگ اس معاملے میں افراط وتفریط پر اور بعض اعتدال پر ہیں۔۔۔۔(پھر اس مسئلے میں اختلاف کا ذکر کرنے کے بعد) فرماتے ہیں: کسی معین شخص کے متعلق یہ شہادت دینا کہ بے شک اللہ تعالیٰ اسے معاف نہیں کرے گا، اُس پر رحم نہیں کرے گا بلکہ اسے ہمیشہ جہنم میں رکھے گا یہ بہت بڑی سرکشی پر مبنی بات ہے۔‘‘ [2]

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَاعْلَمْ أَنَّ مَذْهَبَ أَهْلِ الحقِ أَنَّهُ لَا يُكَفَّرُ أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ الْقِبْلَةِ بِذَنْبٍ وَلَا يُكَفرُ أَهْلُ الْأَهْوَاءِ وَالْبِدَعِ.“

’’جان لیں کہ! اہل حق کا مذہب ہے کہ اہل قبلہ میں سے کسی کی کسی گناہ کی وجہ سے تکفیر نہیں کی جائے گی اور نہ ہی اہل بدعت اور خواہشات پرستوں کی۔‘‘ [3]

ابوسفیان طلحہ بن نافع بیان کرتے ہیں کہ جب سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ (مکہ میں بنوفہر کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے) ایک آدمی نے ان سے سوال کیا:

”هَلْ كُنْتُمْ تَدْعُونَ أَحَدًا مِنْ أَهْلِ الْقِبْلَةِ مُشْرِكًا؟ قَالَ: مُعَاذَ اللّٰهِ فَفَزِعَ لِذَلِكَ. قَالَ: هَلْ كُنْتُمْ تَدْعُونَ أَحَدًا مِنْكُمْ كَافِرًا؟ قَالَ: لَا.“

’’کیا آپ اہل قبلہ میں سے کسی کو مشرک کہتے تھے؟ سیدنا جابر نے پریشان ہو کر فرمایا: اللہ کی پناہ! میں نے کہا: کیا آپ ان میں سے کسی کو کافر کہتے تھے؟ فرمایا: بالکل بھی نہیں۔‘‘ [4]

## ساتواں قاعدہ: اہل سنت لوازم پر تکفیر نہیں کرتے:

اس باب میں اہل سنت کے ہاں اہم ترین اُصول یہ ہے کہ وہ اقوال کے لوازم پر تکفیر نہیں کرتے، ان کے نزدیک کسی قول سے جو لازم آتا ہے وہ غیر لازم ہے، جو اعمال قابل تاویل ہوں وہ اس پر حکم نہیں لگاتے، اگرچہ سدِ ذریعہ کے طور پر اس سے منع ضرور کرتے ہیں۔

امام شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”مَذْهَبَ المحقّقِينَ مِنْ أَهْلِ الْأُصُولِ أَنَّ الْكُفْرَ بِالمآلِ لَيْسَ بِكُفْرٍ فِي الحالِ.“

---

[1] (متن العقيدة الطحاوية:60)

[2] (شرح العقيدة الطحاوية:355)

[3] (شرح مسلم:150/1)

[4] (مسند ابی یعلی:2317، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ المطالب العالية:2998)

''اہلِ اُصول میں سے محققین کا یہی موقف ہے کہ کفر بالمآل فی الحال کفر نہیں۔'' [1]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''أَنِي مِنْ أَعْظَمِ النَّاسِ نَهْيًا عَنْ أَنْ يُنْسَبَ مُعَيَّنٌ إلَى تَكْفِيرٍ وَتَفْسِيقٍ وَمَعْصِيَةٍ، إلَّا إذَا عُلِمَ أَنَّهُ قَدْ قَامَتْ عَلَيْهِ الحجَّةُ الرسالية الَّتِي مَنْ خَالَفَهَا كَانَ كَافِرًا تَارَةً وَفَاسِقًا أُخْرَى وَعَاصِيًا أُخْرَى وَإِنِي أُقَرِّرُ أَنَّ اللهَ قَدْ غَفَرَ لِهَذِهِ الْأُمَّةِ خَطَأَهَا: وَذَلِكَ يَعُمُّ الخطأَفِي المسَائِلِ الخبريَّةِ الْقَوْلِيَّةِ وَالمسَائِلِ الْعَمَلِيَّةِ.''

''میں لوگوں میں سب سے بڑھ کر منع کرنے والا ہوں کہ کسی معین شخص کی طرف کفر، فسق یا معصیت کی نسبت کی جائے، الا یہ کہ معلوم ہو جائے کہ اس پر حجتِ رسالیہ قائم ہو چکی ہے جس کا مخالف کبھی کافر، کبھی فاسق اور کبھی صرف گناہ گار رہتا ہے۔ اور میں معترف ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کی بھول چوک کو معاف فرما دیا ہے، اور یہ بات خبری وقولی اور عملی مسائل میں بھول چوک کو شامل ہے۔'' [2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وَالَّذِي يَظْهَرُ أَنَّ الَّذِي يحكَمُ عَلَيْهِ بِالْكُفْرِ مَنْ كَانَ الْكُفْرُ صَرِيحَ قَوْلِهِ، وَكَذَا مَنْ كَانَ لَازِمَ قَوْلِهِ، وَعُرِضَ عَلَيْهِ فَالْتَزَمَهُ، أَمَّا مَنْ لم يَلْتَزِمْهُ وَنَاضَلَ عَنْهُ؛ فَإِنَّهُ لَا يَكُونُ كَافِرًا، وَلَوْ كَانَ اللَّازِمُ كُفْرًا.''

''جو واضح ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ کفر کا حکم صرف اسی پر لگایا جاتا ہے جس کا قول صراحتاً کفر ہو یا اس کے قول سے لازم آتا ہو اور جب اسے بتایا جائے تو اس پر قائم رہے۔ البتہ جو اس کا التزام نہ کرے اور اس کا انکار کرے تو وہ کافر نہیں ہوگا اگرچہ لازم القول کفر ہی کیوں نہ ہو۔'' [3]

شیخ عبدالرحمن السعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''والتحقيق الذي يدل عليه الدليل أن لازم المذهب الذي لم يصرح به صاحبه ولم يشر إليه ولم يلتزمه ليس مذهباً، لأن القائل غير معصوم، وعلم المخلوق مهما بلغ فإنه قاصر، فبأي برهان نلزم القائل بما لم يلتزمه، ونقوله مالم يقله.''

''اور جس پر دلیل دلالت کرتی ہے وہ تحقیق یہی ہے، کہ لازم المذہب کی جب تک قائل تصریح نہیں کرتا اور اس کی طرف اشارہ نہیں کرتا اور نہ اس کا قائم نہیں رہتا تو یہ اس کا مذہب نہیں؛ کیونکہ قائل غیر معصوم ہے اور مخلوق کا علم جس حد تک بھی پہنچ جائے اس میں کمی رہتی ہے۔ لہٰذا ہم کس دلیل سے قائل پر لازم کریں جس کا وہ اقرار نہیں کرتا اور اس پر وہ بات گھڑیں جو

[1] (الاعتصام: 708/2)

[2] (مجموع الفتاوی: 229/3)

[3] (فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث للسخاوی: 73/2)

اس نے کہی ہی نہیں۔‘‘ [1]

## آٹھواں قاعدہ: اہل سنت گناہوں کی وجہ سے تکفیر نہیں کرتے:

اہل سنت کے اس پختہ عقیدہ کا علم ہونا ضروری ہے کہ کبیرہ گناہ مسلمان کو اسلام سے خارج نہیں کرتے۔ لہٰذا جو کوئی کبیرہ گناہ کر بیٹھے وہ مسلمان ہی ہے اس پر مسلمانوں کے ہی احکامات لاگو ہوں گے اور مسلمانوں والا ہی معاملہ کیا جائے گا، اس پر قرآن وسنت سے واضح دلائل ہیں جو گناہ گار مسلمانوں پر کبائر میں واقع ہونے کے باوجود اخوت ایمانی ثابت کرتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَإِنۡ طَآئِفَتَانِ مِنَ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ ٱقۡتَتَلُواْ فَأَصۡلِحُواْ بَيۡنَهُمَا فَإِنۢ بَغَتۡ إِحۡدَىٰهُمَا عَلَى ٱلۡأُخۡرَىٰ فَقَٰتِلُواْ ٱلَّتِي تَبۡغِي حَتَّىٰ تَفِيٓءَ إِلَىٰٓ أَمۡرِ ٱللَّهِۚ فَإِن فَآءَتۡ فَأَصۡلِحُواْ بَيۡنَهُمَا بِٱلۡعَدۡلِ وَأَقۡسِطُوٓاْۖ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلۡمُقۡسِطِينَ. إِنَّمَا ٱلۡمُؤۡمِنُونَ إِخۡوَةٞ فَأَصۡلِحُواْ بَيۡنَ أَخَوَيۡكُمۡۚ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُونَ﴾

’’اور اگر ایمان والوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دو۔ پھر اگر دونوں میں سے ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والا (گروہ) جب تک اللہ کے حکم کی طرف پلٹ نہ آئے اس سے لڑو، پھر اگر وہ پلٹ آئے تو ان کے درمیان عدل سے صلح کرا دو، اور انصاف کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ مومن تو آپس میں بھائی ہیں، پس اپنے دو بھائیوں کے مابین صلح کراؤ۔‘‘ [2]

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَمَنۡ عُفِيَ لَهُۥ مِنۡ أَخِيهِ شَيۡءٞ فَٱتِّبَاعُۢ بِٱلۡمَعۡرُوفِ وَأَدَآءٌ إِلَيۡهِ بِإِحۡسَٰنٖ﴾

’’جسے اپنے بھائی کی طرف سے کچھ معافی دے دی جائے تو اسے بھلائی کی اتباع کرنی چاہئے اور آسانی کے ساتھ دیت ادا کرنی چاہیے۔‘‘ [3]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’وَاسْتَدَلَّ الْمُؤَلِّفُ أَيْضًا عَلَى أَنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا ارْتَكَبَ مَعْصِيَةً لَا يَكْفُرُ بِأَنَّ اللّٰهَ تَعَالَى أَبْقَى عَلَيْهِ اسْمَ الْمُؤْمِنِ فَقَالَ وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا ثُمَّ قَالَ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاسْتَدَلَّ أَيْضًا بِقَوْلِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا فَسَمَّاهُمَا مُسْلِمَيْنِ مَعَ التَّوَعُّدِ بِالنَّارِ.‘‘

امام بخاری رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے کہ مومن گناہ کے ارتکاب کرنے سے کافر نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس پر مومن کا اطلاق باقی رکھا ہے، فرمایا:

---

[1] (توضيح الكافية الشافية: 241)

[2] (الحجرات: 9، 10)

[3] (البقرہ: 178)

اور اگر ایمان والوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں۔

اور فرمایا:

''مومن آپس میں بھائی ہیں، پس اپنے دو بھائیوں کے مابین صلح کراؤ۔'' [1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے نبی ﷺ کے اس فرمان سے بھی استدلال کیا ہے :

''جب دو مسلمان تلوار سے آپس میں لڑ پڑیں (تو قاتل و مقتول دونوں جہنمی ہیں)۔'' [2]

یعنی ان دونوں کو جہنم کی وعید سنانے کے باوجود مسلمان ہی کہا ہے۔ [3]

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''أَتَانِي آتٍ مِنْ رَبِي، فَأَخْبرَنِي - أَوْ قَالَ: بَشَّرَنِي - أَنَّهُ: مَنْ مَاتَ مِنْ أُمَّتِي لاَ يُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا دَخَلَ الجَنَّةَ قُلْتُ: وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ؟ قَالَ: وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ.''

''میرے رب کی طرف سے ایک فرشتے نے آکر مجھے خبر دی (یا فرمایا کہ خوشخبری دی) کہ میری امت میں سے جو اس حالت میں فوت ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا تھا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (سیدنا ابوذر فرماتے ہیں) میں نے عرض کی: اگر چہ اس نے گناہ اور زنا اور چوری بھی کی ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر چہ اس نے گناہ اور زنا اور چوری بھی کی ہو! (پھر بھی بالآخر جنت میں داخل ہوگا)۔'' [4]

(جاری ہے)

---

[1] (سورہ الحجرات:9-10)

[2] (صحیح البخاری:31، صحیح مسلم:2888)

[3] (فتح الباری:85/1)

[4] (صحیح البخاری:1237، صحیح مسلم:94)

# صوفی ازم کی جاہلانہ مایوسی

خزیمہ ظاہری

اہل عزیمت کی فکر سے دور اور شریعت کی راہ سے جدا تصورات میں ایک جہاں اس دین ودھرم کا بھی ہے جس کی اذاں مجاہد کی بجائے صوفی کی اذاں ہے۔اس کی جدوجہد میں منافقت کا ایسا جہاں بستا ہے کہ جس کی تعلیم سے کسی فرنگی یا صیہونی کے مزاج میں ابکائی پیدا نہیں ہوتی۔ یہ مقام نہی عن المنکر سے فرار کا نام ہے۔ یہ مرتبہ گوشہ عزلت میں بیٹھ کر تمام تر حقیقی کاوشوں سے سبکدوش ہونے کا نام ہے۔شریعت سے متصادم کھڑی طریقت کو دیکھیں اور صوفی کے دین ودھرم پہ نگاہ دوڑائیں تو اللہ تعالی کی طرف سے سونپی ہوئی ذمہ داریوں سے فرار کا یہ مقام سب سے اعلیٰ وارفع ہے جس میں میدان عمل کو اغیار کے لئے خالی چھوڑ دیا جاتا ہے،اور صوفی اپنے مراقبوں میں مشغول ہو کر رب العالمین کے دین پر اٹھنے والی تلواروں اور یلغاروں کے لئے راہ ہموار کردیتا ہے۔ایسی حالت میں یہ دین ودھرم کیونکر یہود وہنود کو برا محسوس ہوسکتا ہے......؟

بلکہ ہوتا یہ ہے کہ اپنی خواہشات کی رعنائی حاصل کرنے کی خاطر اس دھرم کی تبلیغ شروع ہے،اور اس رھبانیت کے دین سے ہر سیکولر بھی راضی ہے۔رب العالمین کے ہر ہر باغی اور نافرمان کی خواہش بھی اس دین ودھرم کے مزاج سے خطرہ محسوس نہیں کرتی۔اس دھرم کی طرف سے تو عزم واستقلال کی تمام تر راہوں پر قدغن ہے کہ کہیں اسلامی غیرت وحمیت سے لبرل لابی کے یک طرفہ نظریہ اخلاق وآزادی کو ٹھیس نہ پہنچ جائے۔ یہ وہ دین ودھرم ہے جس کی ادائیں رب العالمین کے باغیوں کو یوں متاثر کرتی ہیں کہ انہیں اس دھرم کی طرف سے عیاشی وبدمعاشی پھیلانے کے کارناموں پر شاباش ملتی ہے۔افکارِ صوفیاء کے نام سے مجالس ومحافل منعقد ہوں تو اتنا سرور ملے کہ اسلام مخالف خونخوار درندے اپنے تمام تر وزراء اور مشیروں سمیت ان پروگراموں کی سرپرستی کرنے پہنچ جائیں۔رب العالمین کے کسی باغی کو اور ظالم وجابر کو اس دین ودھرم میں پائے جانے والے افکار سن کر اپنی بغاوت وضلالت کا احساس تک نہ ہو بلکہ اپنی ظلمات کو نور علی نور سمجھنا شروع کردے...... نتیجے کے طور پر سامنے آنی والی اس دھرم کی بربادیاں نو وارد نہیں ہیں، بلکہ قبل از اسلام بدھ ازم کے پجاری بھی اسی انداز سے جنگلات میں بھٹکتے تھے۔اسلام سے قبل تہذیب وتمدن سے نا آشنائی کی رفتار ہی تھی کہ انسان کی منزل جنگلات میں چلہ کشی تھی حتیٰ کہ صوفیت جب تزکیہ نفس کی بجائے صوفی ازم یعنی الگ سے دین ودھرم میں بدلتی ہے تو ''رھبان'' پیدا ہوتے ہیں جو قرآنی تنبیہ کے مطابق حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر کے رب بنتے ہیں۔جن کے کرتوتوں پر رب العالمین نے یوں متنبہ کیا ہے کہ باطل ذرائع سے مال کھا جاتے ہیں اور شریعت وعزیمت کی راہ میں بت بن کر حائل بھی ہوتے ہیں جس کے نتیجے کے طور پر رھبانی بگاڑ ایک ناسور کی شکل اختیار کر کے نہ صرف اسلام پہ دھبہ بنتا ہے بلکہ اسلام کے نام لیوا بھی اس گڑھے میں کود کر اپنے تزکیہ کو گدلا کر بیٹھتے ہیں۔کیونکہ جس دھرم نے رفض وباطنیت کے فتنوں کو سہارا دیا، یہود ونصاریٰ کی ابتر حالت کو قرآن نے بھی رھبانیت کا رھین قرار دیا، قبل از اسلام جنگلات میں بھٹکے بدھوں کی ریاضت بھی یہی رھبانیت تھی اور فلاسفہ میں اشراقیین بھی وہی درجہ رکھتے ہیں جو رھبانیت کو ان مذاہب میں حاصل ہے تو اس سے یہ بات کھل کر معلوم پڑتی ہے کہ یہ ناسور کبھی مسلم میں آئے تو بھی مایوسی ہی ہے۔اسلام اپنی ہیئت وحالت میں برقرار رہنے کے لئے اس آمیزش سے پاک ہونا چاہتا ہے حتی کہ مسلمان مفکرین اپنا تجزیہ پیش کرتے ہوئے یہی کہتے ہیں کہ عمل کی راہوں میں

کانٹے بننے والی بدی رہبانیت ہی ہے جیسا کہ ابن الجوزی صدائے عام لگاتے ہیں کہ جیسے علم وعقیدہ میں بگاڑ کا سبب فلسفہ کی مابعد الطبیعی ٹم ٹم ہے اسی طرح عمل کی راہ میں آنے والا افساد رہبانیت کی آل ہے۔[1]

جس قدر دینی روایات کی بے حرمتی و پامالی کرتے ہوئے رہبانیت کی ابتداع میں زور پیدا ہو، اسی قدر شر سے بھڑ کر خیر کے غالب آنے کا پہلو بھی مندمل ہوتا رہتا ہے۔ یہی وہ مایوسی کا نقطہ آغاز ہے کہ اسرار وحقائق پہچاننے کے نام پر وحدت الوجود جیسی فلسفی تعبیرات کے کھوج میں ایسا انہماک کہ دین کی ظاہری وحقیقی تعبیر سے بے رخی و مایوسی، معیشت ومعاش کی قدرتی بناوٹ سے مایوسی، اہل وعیال کی ذمہ داری سے مایوسی، اصلاح وتجدید کے کارناموں سے مایوسی اور یہاں تک کہ یہ دین انسان کو اس حیوانی کٹھرے میں پہنچا چھوڑتا ہے جہاں سوائے اپنے نفس پر خوف کرنے کے؛ کوئی دوسری گفتگو نہیں ہوسکتی؛ اگر جانوروں کو انسانوں سے ڈر کر بدکنے کی وجہ سے "اوابد" کہا گیا ہے تو صوفیاء کا جہاں بسانے کے لئے بھی لازم ہے کہ انسانی معاشرے کا خوف طاری ہو، ذمہ داریاں ادا کرنے کا خوف ہو، معاشرے میں رائج بدی پہ نکیر بننے کا خوف ہو۔ اسی نظریہ خوف پر تصوف کی کتابیں کھنگالیں تو صوفی کرب واضطراب کے ساتھ ساتھ خوف کے عالم میں پایا جاتا ہے۔ نفسی واردات میں خوف بھی چھایا ہوتا ہے، ایک ایسا خوف جسے خود ہی اپنی سرپرستی میں ایجاد کیا ہوا اور خود ہی اسے فرض کیا ہو، پھر اس پر پہرہ داری کا دھندہ رچایا ہو!

لیکن عنوان میں دئے گئے صوفی ازم کی جاہلانہ مایوسی کے موضوع کی تحدید وتعیین، اس کے اسباب وذرائع کیا ہیں؟؟ اس پر سہ نکاتی کلام کرتے ہیں تاکہ اس مایوسی کی تشخیص ہوسکے جو اسلام کے لئے ڈپریشن کا کردار ادا کررہی ہے:

① صوفیاء کا سارا نظام ہی داخلیت پہ مبنی ہے کیونکہ تصوف میں مرشد ورہنما اپنے دل کی کیفیت کا نام ہے جیسا کہ تصوف کی تعریف میں ہی مرشد وملجا کی حیثیت دل کو حاصل ہے اور اس قوم کا دل ہمیشہ کرب، اضطراب، خوف اور قلق زدہ رہتا ہے۔ بظاہر تو اپنے نفس پر گناہوں کا خوف اور بوجھ مگر اس میں غلو کی انتہاء ذمہ داریوں سے فرار پہ منتج ہوتی ہے جس سے میدان عمل باغیوں کے لئے خالی ہوجاتا ہے۔ مایوسی کی یہ کیفیت ہمیں شر کے لئے راستہ صاف کرنے کی صورت میں نظر آتی ہے۔[2] اسلام پہ اس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ دین اسلام اپنے مزاج میں پائی جانے والی اصلاح کی تحریک اور حق کے نفاذ کی نظم سازی کو اس دھرم سے دھچکا لگتا ہوا محسوس کرتا ہے۔

② مغرب کی وجودیت جو مایوسی کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔ جسے یوں سمجھنا چاہیے کہ جیسے فلاسفہ میں مشککین کا کردار ہوتا ہے کہ ہر شے میں سفسطی اوہام کا ادخال، اسی طرح رب العالمین کی دی ہوئی عقل کو استعمال کرکے ترقی کرنے پر رفعتوں کے حصول کی بجائے انسان کو تنہا سمجھنا کہ جدید دور میں فرد تنہا رہ گیا ہے، امیدیں ختم ہوچکی ہیں، ترقی نے گویا انسانی حیثیت کو ہی مشکوک بنادیا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ یہ وجودیت ہے جس میں مشککین کے ہر علت کو عدم گرداننے کی طرح ہر آس کو یاس کہنا ہوتا ہے۔ تصوف سے چونکہ وجودیت تمام تر رشتے رکھتی ہے (جس کی تفصیل کا یہ محل نہیں) لہٰذا تصوف بھی ہر تسخیر کو نقص سے جوڑ کر مایوسی پھیلاتا ہے۔ اور جیسے مایوسی کی پہلی صورت کا تعلق شریروں کو راہ دینے سے ہے اسی طرح اس صورت کا تعلق معیشت ومعاش کی ذمہ داریوں سے فرار ہونے کے ساتھ ہے کہ پہلی صورت میں نھی عن المنکر کا فریضہ ترک ہونے کی وجہ سے باغیوں کو حوصلہ ملتا ہے جبکہ اس صورت میں معاشرے کی چلتی ہوئی گاڑی کی سواریوں میں مایوسی یوں پھیل جاتی ہے کہ اس گھر کا سربراہ رہبانیت زدہ ہوجائے تو اس مایوس صوفی کے ذمہ داریوں سے مفر کی وجہ

---

[1] (تفصیل کیلیے دیکھیے "صید الخاطر" از ابن الجوزی ص نمبر 184 ط_ دار السلفیة)

[2] اس پر بے لاگ تبصرے کیلیے ملاحظہ ہو: تجدید واحیائے دین از سید ابوالاعلی مودودی، ص 18 تا 20، بعنوان: جاہلیتِ راہبانہ

سے کسب معاش کی ذمہ داریاں جن کندھوں پر وقت سے پہلے آجاتی ہیں وہ اس بار کے تحمل سے مایوس ہوجاتے ہیں۔

③ صوفی دھرم کی پھیلائی ہوئی تیسری مایوسی کا مدار حلت وحرمت کے زاویے بدلنے اور شریعت اسلامیہ کے عقائد وافکار سے مایوس ہو جانے پر ہے۔ کہ نہ تو ظاھری عبادت سے تسکین، نہ شرع میں مذکور توحید پر اطمینان اور نہ ہی شریعت کے دئے ہوئے اخلاق وفطرت کے قوانین سے ہم آہنگی۔ لہٰذا چلہ کشی، مراقبہ بازی، فلسفیانہ تفکرات کی مار دھاڑ اور کشف وکرامات کی شعبدہ بازی وہ کل اثاثہ بنتا ہے جو شریعت سے مایوس ہوکر طریقت کا نشہ استعمال کرنے والوں کا شیوہ ہے۔ یہ مایوسی اسلامی عقائد کے بارے میں ہے جن عقائد سے یہ دھرم مایوس اور نالاں ہے۔

یہ دھرم جب نھی عن المنکر کے فرائض، معاشرتی ذمہ داریوں اور اسلامی عقائد سے اس قدر مایوس ہے تو پھر اس کی بنتی کس سے ہے؟؟ کون اسے امید دلاتا ہے؟؟

اس سوال کے جواب میں ان لوگوں کا ذکر جو رب العالمین کے باغی ہیں، شریعت سے باغی ہیں، اہل شریعت پہ جابر ہیں مگر اس دھرم کو شانتی کہتے ہیں، ان سے بڑھ کر وہ فرنگی جنکا امن اور انکے زاویہ اخلاق کی بقاء اسی دھرم میں موجود ہے کہ اس دھرم کو تعلیمی نصاب میں شامل کرنے پر بھی راضی، اس دھرم کے پجاریوں کو فنڈ مہیا کرنے پر بھی کمر بستہ۔ پھر کونسا وہ چراغ ہے جسے رگڑنے سے ایسی چمک پیدا ہو جس کی روشنی میں ہمیں کوئی یہ دکھا سکے کہ کسی اسلام دشمن نے اس دھرم کو اس غرض سے ناپسند کہا ہو کہ اس کی موشگافیاں فکر اسلامی کو جلا بخشتی ہیں سو ایسا ہونا بند ہو جائے......؟؟؟

یقیناً ایسی حالت کبھی پیدا نہیں ہوئی کہ اسلامی جذبہ حمیت وغیرت سے خوف کھاتے لادین عناصر اور اسلام دشمن طاقتیں اس دھرم سے بھی نالاں ہوئی ہوں کیونکہ اسلام سے غیرت نکال دی جائے تو ہی صوفی دھرم بنتا ہے اور ایسے اسلام سے کوئی بے دین عنصر خائف نہیں جس میں صوفی دھرم جیسا بے حمیتی کا مادہ پایا جائے۔

# سیدنا محمد کریم ﷺ، پیکرِ عفوودرگزر

عادل عبدالرحمن

أَلحمدُ للهِ حمداً كَثِيراً دائماً نقياً طيباً مُبارَكاً فِيهِ، وصلىَ اللهُ وَبارِكُ وَسلِّمْ على نَبِيِّنا محمّدٍ وَعلى آلِهِ الطَّيِّبِينَ الطَّاهِرِينَ وَعلى أَصْحابهِ أَجمعِينَ.

**عفوودرگزر کامعنی ومفہوم:**

''عفو'' عربی زبان کالفظ ہے،جس کے معانی: معاف کردینا،بخش دینااور بدلہ نہ لینا کے ہیں۔

''دَرْ گُزَر'' فارسی زبان سے ماخوذ اسم''گزر'' کے ساتھ''در'' بطور سابقہ لگانے سے مرکب بنتا ہے،جس کے معانی: معافی،چشم پوشی اورگناہ پر پردہ ڈالنے کے ہیں۔

''عفْو و دَرْ گُزَر'' عربی وفارسی زبان سے مشتق ایک مرکب ہے،جس کے معانی: کسی بھی غلطی،خطااور قصور کو معاف کر دینا کے ہیں۔

اصطلاحِ شریعت میں،عفوودرگزر سے مراد،ظالم کی زیادتی وبرائی پر بدلہ کی طاقت وقدرت رکھنے کے باوجود،غصہ سے مغلوب،مظلوم شخص کا صبر وضبط سے کام لیتے ہوئے نا صرف خاموش ہوجانا اور انتقام نہ لینا بلکہ دل سے اسے معاف بھی کردینا ہے۔عفوودرگزر صرف قادر ہونے کی صورت میں ہے۔مقدور شخص اگر طاقت وقوت کی عدم موجودگی کے باعث بدلہ نہ لے سکتا ہوتو یہ عفوودرگزر نہیں ہوگا بلکہ اسے بےبسی سے متصف کیا جائے گا۔

عفوودرگزر کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ آدمی معاف کردے،خواہ طبیعت اس پر آمادہ نہ ہواور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ دل کی رضا وخوشی کے ساتھ معاف کرے اور ممکن ہوتو اس کے ساتھ کچھ احسان بھی کرے۔

**اِمامُ الانبیاء سیدنا محمد کریم ﷺ، پیکرِ عفوودرگزر:**

اسلام محض عقائد وعبادات کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ یہ ہمیں قدم بہ قدم معمولاتِ زندگی کو بطریقِ اَحسن انجام دینے کے اصول اور سماجی تعلقات اور رشتوں کے مابین محبت ومؤدت قائم رکھنے کے اسلوب سے بھی روشناس کراتا ہے۔فطرتِ انسانی میں خفگی،عدم برداشت، ناانصافی اور بےرحمی جیسے جذبات کے دخل سے انکار ممکن نہیں اور انسان کا ان سے مغلوب ہونا بھی عام بات ہے۔اسی طرح یہ بھی حقیقت ہے کہ زیست کے اس سفر میں افراد کے مابین بعض معاملات پر ناچاقی ورنجش سنگین ترین صورت اختیار کرجاتی ہے۔اِن سارے امور میں اِمامُ الانبیاء سیدنا محمد الرسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ ہی ہمارے لئے رشدوہدایت کی واحد قندیل ہے۔آپ ﷺ نے ہمیں آپسی معاملات کی ایسی بہترین تعلیم دی ہے جس کی مثال پیش کرنے سے پوری تاریخِ انسانی قاصر ہے۔آپس میں رعایت کرنے،بدلہ نہ لینے اور عفوودرگزر کرنے کا وہ عظیم الشان درس دیا ہے جس پر پوری عالمِ انسانیت اَنگشت بہ دَنداں ہے۔

اللہ ربُّ العزت نے آپ ﷺ کو لوگوں سے درگزر کرنے کا حکم دیا ہے،جیسا کہ ارشادِ ربّانی ہے:

﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ﴾

’’پس (اے نبی ﷺ! آپ) انہیں معاف کر دیجیے اور اُن کے لیے مغفرت طلب کیجیے۔‘‘ [1]

﴿فَاعۡفُ عَنۡهُمۡ وَاصۡفَحۡ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِينَ﴾

’’پس (اے نبی ﷺ! آپ) انہیں معاف کر دیجیے اور درگزر فرمائیے، بے شک اللہ احسان کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔‘‘ [2]

﴿خُذِ الۡعَفۡوَ وَأۡمُرۡ بِالۡعُرۡفِ وَأَعۡرِضۡ عَنِ الۡجَاهِلِينَ﴾

’’(اے نبی ﷺ!) آپ عفو کا راستہ اختیار کریں نیکی کا حکم دیں اور جاہلوں سے کنارہ کشی کریں۔‘‘ [3]

خود آپ ﷺ کا فرمانِ مبارک ہے:

"مَا زَادَ اللهُ عَبۡدًا بِعَفۡوٍ إِلَّا عِزًّا."

’’اللہ ایسے شخص کی عزت ہی بڑھاتے ہیں جو لوگوں سے درگزر کرتا ہے۔‘‘ [4]

اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"مَا انۡتَقَمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ لِنَفۡسِهِ فِي شَيۡءٍ يُؤۡتَى إِلَيۡهِ حَتَّى يُنۡتَهَكَ مِنۡ حُرُمَاتِ اللهِ فَيَنۡتَقِمَ لِلَّهِ."

’’رسول اللہ ﷺ نے کبھی اپنی ذات کے لیے کسی سے بدلہ نہیں لیا۔ ہاں، جب اللہ کی قائم کردہ حدود کو پامال کیا جاتا تو پھر آپ ﷺ اللہ کے لیے بدلہ لیتے تھے۔‘‘ [5]

سیدنا محمد کریم ﷺ کی ساری زندگی عفو و درگزر کے ایسے بے مثل واقعات سے بھری پڑی ہے جن میں آپ ﷺ نے کمال وسعتِ قلبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے جانی دشمنوں کو نہ صرف معاف کیا بلکہ ان پر احسان بھی کیا۔ سرِ دست ہم ان واقعات میں سے صرف ایک پر اکتفاء کرتے ہیں۔

غلبہ و اقتدار حاصل ہونے کے بعد عفو و درگزر سے کام لینا بڑے تحمل اور وسعتِ ظرفی کا متقاضی ہے۔ بڑے بڑے معلمینِ اخلاق اس راہ میں ناکام اور کورے ثابت ہوئے ہیں اور ان کی زندگیوں کا یہ پہلو نمایاں طور پر مضمحل و کمزور رہا ہے۔ کسی مفتوحہ علاقہ میں فاتح قوم کے داخلہ کے جو انداز و اطوار ہوا کرتے تھے، تاریخ نے بڑی دیانت داری کے ساتھ اسے محفوظ کر رکھا ہے۔ جوشِ انتقام میں فاتح قوم، مفتوح کے ساتھ وہ سب کچھ کر گزرتی تھی جو ایک قوی، کمزور کے ساتھ کر سکتا تھا۔ دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے جو جو ممکن طریقے ہو سکتے تھے، تمام استعمال کیے جاتے تھے۔ روم و ایران کی خونریز داستانیں آج بھی تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں۔ ان کی کربناک آہیں آج بھی تاریخ کے لفظ لفظ سے سنائی دیتی ہیں۔ حتیٰ کہ سکندر اعظم جیسا کشور کشا بھی اس سے مستثنیٰ نہیں تھا، اس نے بھی وہی کچھ کیا جو ایک فاتح، نہتے مفتوحوں کے ساتھ کر سکتا تھا۔

---

[1] آل عمران:۱۵۹

[2] المائدة:۱۳

[3] الأعراف:۱۹۹

[4] صحيح مسلم، رقم الحديث:۲۵۸۸، بترقيم فؤاد عبد الباقي

[5] صحيح البخاري، رقم الحديث:٦٨٥٣، بترقيم فؤاد عبد الباقي

اس کے برعکس، تاریخ کے دریچے سے آپ فاتح اسلام ﷺ کے مکہ مکرمہ میں داخلہ کا وہ رفیع الشان منظر بھی ملاحظہ فرمائیں کہ جب دس ہزار نفوس قدسیہ کے ساتھ انسانیت کے مسیحاء ﷺ پورے غلبہ واقتدار کے ساتھ اس شہر میں داخل ہوتے ہیں [1] جہاں کا فرد فرد آپ ﷺ کے خون کا پیاسا تھا، جہاں سے بے سروسامانی کے ساتھ نکلنے پر آپ ﷺ کو مجبور کیا گیا تھا اور جہاں کے باشندے حد یہ کہ وہاں سے نکلنے کے بعد بھی سات آٹھ سال تک آپ ﷺ سے مسلسل برسر پیکار رہے تھے۔ (اشارہ، مشرکینِ مکہ کے ساتھ کی گئی جنگوں کی طرف ہے) مگر محسنِ انسانیت ﷺ کا حال یہ ہے کہ جبیں خم ہے، انکساری کی انتہاء یہ ہے کہ پورا وجود سراپا عجز و نیاز بنا ہوا ہے اور آپ ﷺ خوش الحانی سے سورۃ الفتح کی تلاوت کرتے ہوئے آگے بڑھتے جارہے ہیں۔[2]

جب تک آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں مقیم رہے کسی سے اپنے ذاتی گھر پر رہنے کا تقاضا تک نہ کیا بلکہ خیمے لگا کر گزارہ کیا۔ قسم کھائی جاسکتی ہے کہ دنیا نے اپنی پیدائش سے لے کر آج تک کبھی ایسے عالی ظرف منصور کو دیکھا ہے اور نہ آئندہ کبھی دیکھ ہی سکتی ہے۔ جانی دشمنوں اور خون کے پیاسوں کو پوری فیاضی کے ساتھ امن وامان کی نوید دی جاتی ہے۔[3] عکرمہ بن ابی جہل جیسے بدترین معاند کو بھرپور وسیع القلبی کے ساتھ مشرف بہ اسلام کرلیا جاتا ہے۔[4] دل کے جگر پاروں پر ہاتھ اٹھانے والوں تک کو معاف کردیا جاتا ہے۔ بنت رسول ﷺ، سیدۃ زینب رضی اللہ عنہا کا قاتل آج مطمئن ہے کہ کوئی اسے چھیڑ نہیں سکتا۔[5] آج (سیدنا) ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) کو بھی ان کے مکان اور مکینوں سمیت مکمل امان ہے۔[6] ہند بن عتبہ جیسی بے جگر اور اسلام کی متعصب ترین بدخواہ خاتون بھی آج محروم نہیں ہے۔ (سوائے ان چند ایک کہ جنہوں نے اسلام دشمنی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی اور جن کے متعلق اندیشہ تھا کہ یہ لوگ فتح مکہ کے بعد بھی فتنہ سازی سے باز نہیں آئیں گے، سب کو ہی معاف فرمادیا گیا، بلکہ ان میں سے بھی کئی ایک نے اسلام قبول کرکے اپنی جان بخشی کروالی) کس کس کا ذکر کیا جائے؟

یہ کیسا عجیب منظر ہے! زمین غرقِ حیرت ہے، آسمان محورِ رشک ہے کہ یہ کیسا فتح یاب ہے! آج حرم کا چپہ چپہ وجد میں ہے۔ کعبۃ اللہ آج اپنی پوری آب وتاب اور جاہ وجلال کے ساتھ موجود ہے۔ زمین کے دوش، اس فاتح اعظم ﷺ کے اخلاق واحسان کے بارِگراں سے جھکے جا رہے ہیں۔ وجود وعدم کی اس گیتی نے درہم ودینار کے لٹانے والے حاتم طائی تو بہت دیکھے ہوں گے مگر ایسی سخاوت کا آج پہلی بار نظارہ کر رہی ہے کہ جس میں امن وزندگی کے پروانے، پوری دریادلی کے ساتھ تقسیم کیے جارہے ہوں۔ پھر محض اسی پر بس نہیں، اب کردار وعمل سے بھی آگے بڑھ کر زبان وبیان کے ذریعہ بالآخر احترام انسانیت کے ابدی منشور کا اعلان کرہی دیا جاتا ہے۔

ایسے میں عالم عرب وعجم کے مسیحا ﷺ، سیدنا محمد کریم ﷺ، اپنے سر مبارک پر سیاہ عمامہ سجائے [7] کعبۃ اللہ کے دروازے پر کھڑے

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث: ٤٢٨٠، بترقيم فؤاد عبدالباقي۔ سیرت النبی ﷺ از دکتور علی محمد الصلابي: ٣٩٣/٣، طبع: دارالسلام، لاهور۔ صحیح سیرتِ رسول ﷺ از دکتور محمد بن حمد الصوياني، ص: ٥٩١، طبع: مكتبه قدوسية، لاهور

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث: ٤٢٨١، بترقيم فؤاد عبدالباقي

[3] سنن النسائي، رقم الحديث: ٤٠٧٢، حسنه الشيخ سيد تنوير الحق شاه هزاروي۔ سیرت کے سُچے موتی، ص: ٤٧١، ٤٧٠، طبع: دارالاندلس، لاهور

[4] سیرت انسائیکلوپیڈیا: ١٥٥/٩، طبع: دارالسلام، لاهور۔ سیرتِ نبوی ﷺ از دکتور مهدي رزق الله احمد: ١٩٩/٢، طبع: دارالسلام، لاهور

[5] صحيح إبن حبان، رقم الحديث: ٤٧٦٠، صححه الشيخ سيد تنوير الحق شاه هزاروي۔ سیرت کے سُچے موتی، ص: ٤٦٢، طبع: دارالاندلس، لاهور

[6] صحيح مسلم، رقم الحديث: ١٧١٤، بترقيم فؤاد عبدالباقي

[7] صحيح مسلم، رقم الحديث: ١٣٥٨، بترقيم فؤاد عبدالباقي

ہو کر[1] منشورِ انسانیت کا وہ اعلیٰ درس دیتے ہیں کہ ایک فاتح کی زبانی ایسے درس سے دنیا آج تک نامانوس تھی۔

(سیدنا) ابو سفیان (رضی اللہ عنہ) کی پریشانی دیدنی تھی، کہنے لگے:

''اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا آج قریش تباہ کر دیئے جائیں گے؟'' [2]

امام الانبیاء سیدنا محمد کریم ﷺ نے کعبۃ اللہ کی چوکھٹ کو پکڑ کر فرمایا:

''يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ، مَا تَقُولُونَ؟''

''اے قریش والو! (آج) کیا کہتے ہو؟''

''قَالُوا: نَقُولُ: ابْنُ أَخٍ، وَابْنُ عَمٍّ رَحِيمٌ كَرِيمٌ.''

''انہوں نے کہا: ہم تو یہی کہتے ہیں کہ آپ ہمارے بھتیجے اور چچا زاد ہیں اور بڑے رحیم و کریم ہیں۔''

''ثُمَّ عَادَ عَلَيْهِمُ الْقَوْلَ، قَالُوا مِثْلَ ذَلِكَ''

آپ ﷺ نے اُن سے پھر وہی سوال کیا، اور اُنہوں نے پھر وہی جواب دیا۔

قَالَ: ''فَإِنِّي أَقُولُ كَمَا قَالَ أَخِي يُوسُفُ: لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ.''

''(پھر) آپ ﷺ نے فرمایا: میں تُم سے وُہی بات کہتا ہوں جو میرے بھائی (سیدنا) یوسف علیہ السلام نے کہی تھی: آج تم پر کوئی ملامت (اور پکڑ) نہیں، اللہ تمہیں معاف فرمائے اور وہ رحم کرنیوالوں میں سب سے زیادہ رحم کرنیوالا ہے۔'' [3]

اللہ تعالیٰ کی بڑائی و کبریائی بیان کرنے کے بعد قریش کو مخاطب کر کے فرمایا:

''أَيُّهَا النَّاسُ، فَإِنَّ اللَّهَ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ عُبِّيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ.''

''اے لوگو! اللہ نے تمہارے جاہلی غرور و تکبر کو ہوا میں اُڑا کر رکھ دیا ہے۔''

''يَا أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّمَا النَّاسُ رَجُلَانِ بَرٌّ تَقِيٌّ كَرِيمٌ عَلَى رَبِّهِ وَفَاجِرٌ شَقِيٌّ هَيِّنٌ عَلَى رَبِّهِ.''

''لوگو! لوگ دو طرح کے ہی ہوتے ہیں؛ ایک وہ جو نیک ہو، اپنے رَب کے ہاں پرہیزگار اور معزز ہو، اور (دوسرا) وہ جو بدکار، بدبخت اور اپنے رَب کے ہاں گھٹیا ہو۔''

ثُمَّ تَلَا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾

پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

''اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا تاکہ ایک دوسرے کی شناخت کر سکو۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم سب میں زیادہ معزز وُہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار رہو۔''

---

[1] سنن الكبرى للنسائي، رقم الحديث: ١١٢٩٨، حسنه الشيخ سيد تنوير الحق شاه هزاروي۔ سیرت کے سچے موتی، ص: ٤٦٨، طبع: دار الاندلس، لاہور

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث: ١٧٨٠، بترقيم فؤاد عبد الباقي

[3] سنن الكبرى للنسائي، رقم الحديث: ١١٢٩٨، حسنه الشيخ سيد تنوير الحق شاه هزاروي۔ سیرت کے سچے موتی، ص: ٤٦٨، طبع: دار الاندلس، لاہور

ثُمَّ قَالَ:

"أَقُولُ هَذَا وَأَسْتَغْفِرُ اللَّهَ لِي وَلَكُمْ."

اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

"میں نے تمہیں یہی کچھ کہنا تھا، (باقی)، میں اللہ سے اپنے اور تمہارے لئے مغفرت طلب کرتا ہوں۔" [1]

تاریخ، دنیا میں کسی بھی شخص کا اپنے جانی دشمنوں کے ساتھ ایسا شریفانہ سلوک کرنے اور اپنے ہی خون کے پیاسوں کو اس کریم النفسی سے معاف کرنے کا کوئی بھی واقعہ پیش کرنے سے عاجز و ساکت ہے۔

یہ تھا سید المرسلین ﷺ کا عفو و درگزر!

اللہ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو اسوۂ رسول ﷺ پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین

[1] صحیح إبن حبان، رقم الحدیث: ۳۸۲۸، صححه الشیخ سید تنویر الحق شاہ۔ سیرت کے سچے موتی، ص: ۴۶۹،۴۷۰، طبع: دار الاندلس، لاہور

# تاریخی روایات میں سند؛ واقدی کے تناظر میں

ابوالوفا محمد حماد اثری

پچھلے مضمون میں ہم نے یہ سوال اٹھایا تھا کہ ایک ایسا شخص جو حدیث میں ضعیف ہو، کیا وہ تاریخ میں ثقہ ہوسکتا ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ بالکل ایسا ہونا ممکن ہے، بسا اوقات ایک راوی فی نفسہ سچا ہوتا ہے، لیکن حدیث میں حافظے یا اختلاط وغیرہ کی خرابی سے ضعیف قرار پاتا ہے، یعنی حدیث اس کا میدان نہیں ہوتا، اس میں کہیں غلطی کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے، تاریخ میں مگر وہ کامل درک رکھتا ہے، تو وہاں اس کا بیان قبول کرلیا جاتا ہے۔

کئی راوی اپنے اہل علاقہ سے حدیث بیان کرنے میں ثقہ ہوتے ہیں، لیکن دوسرے شہر سے حدیث بیان کریں تو ضعف کا حکم لگتا ہے، بعض معاملات میں حجت، بعض میں کمزور اور واہن، بعض اساتذہ سے بیان میں ثقہ، بعض اساتذہ سے بیان میں ضعیف؛ تو یہ ایک فطری امر ہے، محدثین عظام اور ارباب تحقیق اس کا خاص لحاظ رکھتے ہیں۔

سوال مگر صرف ضعف تک بس نہیں ہے، اس سوال کا ایک جزء راوی کا کذب بھی ہے۔ بعض راوی حدیث میں جھوٹ بولنے کا قبیح جرم کرتے ہیں۔ تو کیا جو شخص حدیث میں جھوٹ بولتا ہو، اس سے تاریخ میں سچ بولنے کی امید وابستہ کی جاسکتی ہے؟

عقل اور منطق اس سے ابا کرتی ہیں، یعنی یہ کیسے مان لیا جائے کہ ایک شخص صرف رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھتا ہے، کسی اور پر جھوٹ نہیں باندھتا؟ کار محدثین کے رمز آشنا اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں کہ جب ایک راوی کا عام حالات میں بھی جھوٹ بولنا ثابت ہوجائے تو محدثین اس سے حدیث لینا ترک کردیتے ہیں، پھر اس پر اعتماد نہیں کرتے۔

اور یہی مورخین کا حال ہے، وہ بھی کسی کی روایت پر اعتماد کے لئے اس کی سچائی کو شرط بناتے ہیں، سبکی کے بقول:

”مورخ کا سچا ہونا ضروری ہے۔“[1]

مورخ ابن خلدون نے خبر میں جھوٹ کی آمیزش کے من جملہ اسباب میں سے ایک سبب اس کے راوی کی کذب بیانی بھی شمار کیا ہے۔[2]

سابقہ مضمون میں ہم اور بھی بہت سے آثار پیش کرچکے ہیں، جن میں ایک راوی کے کذب کو بنیاد بنا کر اس کی تاریخی روایت کو ناقابل قبول قرار دیا گیا ہے۔

اس تمہید کے بعد ہم محمد بن عمر واقدی کی طرف آتے ہیں، واقدی کے وکلائے صفائی کا ماننا ہے کہ واقدی حدیث میں خواہ جتنا ہی ضعیف کیوں نہ ہو، تاریخ میں مگر ثقہ ہے۔

اس بیانیے پر جرح دو سوالوں کے گرد گھومتی ہے:

---

[1] (قاعدۃ فی المورخین: ص68)

[2] (مقدمہ ابن خلدون: 1/47)

① اگر تو واقدی حدیث میں کذب بیانی کا مرتکب ہے، تب پھر وکالت کی کوئی معقول وجہ باقی ہی نہیں رہ جاتی۔

② اور اگر وہ صرف حافظے کی خرابی یا غفلت وغیرہ کے سبب ضعیف قرار پایا ہے تو پھر مزید قرائن و دلائل کی روشنی میں یہ طے کیا جا سکتا ہے کہ وہ تاریخ میں ضعیف ہے یا ثقہ؟

یعنی تاریخ میں کسی کی ثقاہت یا عدم ثقاہت کا مبحث تب شروع ہو سکتا ہے، جب وہ کذاب اور متروک نہ ہو، وگرنہ یہ بحث بنتی ہی نہیں۔

حدیث میں واقدی کے ضعف کا قضیہ تو فی زمانہ متفق علیہ قضیہ ہے، فلہذا، اس کو چھیڑنے کی چنداں حاجت نہیں، لیکن ہمیں اس کے ضعیف ہونے کا سبب تلاش کرنا ہے، ائمہ فن کی ایک معتد بہ تعداد نے اسے کذاب قرار دیا ہے، اور بعض محدثین نے کذاب سے بھی ذرا آگے، وضعِ حدیث کا مجرم بتایا ہے۔

امام اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں:

"لانه عندي ممن يضع الحديث."

"واقدی میرے نزدیک حدیث گھڑ لینے والوں میں سے ہے۔" [1]

امام ابن المدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: واقدی وضع حدیث کا مجرم ہے۔ [2]

صرف دو مثالیں کافی رہیں گی، ان کے سوا بھی کئی محدثین ایسے موجود ہیں، جو اس کو وضع حدیث سے متہم کرتے ہیں۔ائمہ علل کی گواہیوں سے مزید یہ کہ قرائن بھی اس کے وضاع اور کذاب ہونے پر دلالت کرتے ہیں، مثلا:

حد سے زیادہ منفرد روایات بیان کرنا وضع حدیث کی علامت ہے، اور واقدی میں پائی جاتی ہے۔ [3]

حدیث میں کذب کی ایک علامت کثرت سے عجائب بیان کرنا بھی ہے، جیسا کہ امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں:

"غرائب حد سے زیادہ جھوٹی ہوتی ہیں۔" [4]

یہ عادت قبیحہ بھی واقدی میں بدرجہ اتم موجود ہے، امام ابو حاتم ایک راوی سعد بن عمران کے ترجمے میں لکھتے ہیں:

"سعد بن عمران ضعف میں اور کثرت کے ساتھ عجائب کے بیان میں واقدی کے جیسا ہے۔" [5]

الغرض یہ شخص حدیث وضع کیا کرتا تھا، سوانہیں دلائل کی بنیاد پر ہم اس کو کذاب قرار دیتے ہیں، اور جو شخص حدیث میں کذاب درجے کا راوی ہو، اس کی بات تاریخ میں بھی قبول نہیں کیا جا سکتی۔

یاد رہے کہ بعض متاخرین نے واقدی کو فی نفسہ سچا قرار دیا ہے، اس پہ انہوں نے مگر کوئی دلیل پیش نہیں کی، پھر ان کے بعد ہمارے زمانے کے بعض محققین واقدی کے جرم کی شناعت کم کرنے کے لئے کچھ حوالہ جات اور قرائن لاتے ہیں، لیکن بنظر عمیق ان کے پیش کردہ دلائل کا تجزیہ کیجئے تو وہ قرائن الٹا واقدی کے خلاف جا رہے ہوتے ہیں۔

---

[1] (الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: 8/21)

[2] (المجروحين لابن حبان: 290/2، وسنده صحيح)

[3] (الضعفاء الكبير للعقيلي: 4/108)

[4] (تاريخ يحيى بن معين برواية الدوري: 541)

[5] (علل الحديث لابن ابی حاتم: 5/269)

وہ کہتے ہیں کہ:

”※ واقدی مختلف سندوں کو ملا کر ایک ہی متن بنا دیا کرتا تھا، یعنی ایک حدیث اگر ایک استاذ سے تین شاگردوں نے روایت کی ہے تو وہ کہہ دیتا ہے کہ یہ حدیث فلاں فلاں اور فلاں نے فلاں استاذ سے بیان کی، اسی وجہ محدثین نے اسے حدیث میں ضعیف قرار دے دیا۔“

تو ہمارے ان احباب کو اصل مسئلہ سمجھنے میں خطا لگ گئی ہے، کیوں کہ اگر اس کا جرم صرف اتنا سا ہوتا، تب تو اسے کذاب کی بجائے ثقہ ہی قرار دیا جاتا، کیوں کہ یہ کام تو بعض ثقہ ائمہ بھی کرتے رہے ہیں۔

یہ وہی صورت ہے جیسے ایک شخص کذاب اور مدلس ہوتا ہے، کذاب اور مختلط ہوتا ہے، اسی طرح واقدی کذاب اور مجمل (سندیں ملا کر ایک ہی متن بنانے والا) ہے۔ پھر وہ صرف سندیں جمع نہیں کرتا، سندوں میں راوی بدل دیتا ہے، وہ ایک حدیث میں ایسے استاذ ایڈ کر دیتا ہے، جنہوں نے وہ روایت بیان ہی نہیں کی ہوتی۔ مثلا: یونس کی ایک روایت کو اس نے معمر کی حدیث قرار دے دیا۔ [1] لہٰذا واقدی کے عدم ضعف کی یہ دلیل تو لا حاصل رہی۔

دوسری دلیل امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے طرز عمل کو بنایا جاتا ہے، تاریخ بغداد کی روایت کے مطابق امام رحمہ اللہ واقدی کی کتابیں منگوایا کرتے تھے۔ احباب نے صرف اس بات سے یہ دلیل کشید کر لی ہے کہ واقدی تاریخ میں ثقہ تھا، یا امام احمد رحمہ اللہ کو بھی اس کی احتیاج تھی۔

تو اس بات کو تجاہل عارفانہ کہا جا سکتا ہے یا کار محدثین سے ناواقفی پر محمول کیا جا سکتا ہے، کیوں کہ محدثین صرف واقدی کی نہیں، ہر ہر راوی کی کتاب دیکھا کرتے تھے، یہ ایک تحقیق کار کا فرض ہے کہ وہ کوئی فیصلہ سنانے سے پہلے کیس کی تمام کلیات اور جزئیات سے مکمل آگاہی حاصل کرے، تو ائمہ محدثین ہر شخص کی ہر حدیث اور روایت چیک کرتے، پھر اس پر کوئی حکم لگاتے تھے، اسماء الرجال کی کتابوں میں اس کی بیسیوں مثالیں موجود ہیں۔ وہ ایک استاذ کی تمام روایات اپنے پاس رکھتے، کتابوں سے موازنے کرتے، اس کی زبانی مرویات اور کتاب کے درمیان مختلف اوقات میں دیکھتے رہتے۔ بسا اوقات جرح کر جاتے کہ یہ روایت فلاں راوی کی کتاب میں یوں تھی، اس نے دوسری جگہ اس کے خلاف بیان کی، یا غلطی کر دی وغیرہ، راوی کی کتاب اس کی کل روایات معلوم کرنے کا ایک طریقہ بھی ہے۔

ولید بن مسلم سے نماز کے سلسلے میں ایک روایت بیان کی گئی ہے، امام ابو حاتم اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”وكان الوليد صنَّف كتاب الصَّلاة، وليس فيه هذا الحديث.“

”ولید نے نماز کے موضوع پر ایک کتاب لکھی تھی، اس میں یہ روایت موجود نہیں ہے۔“ [2]

دوسرے یہ کہ ہمارے احباب نے امام احمد کے ایک عمل سے دلیل کشید کر لی ہے اور واقدی کے متعلق آپ کے تمام اقوال کو دیکھنے کی زحمت نہیں کی، یہ شاید علمی رویہ نہیں ہے۔ واقدی کے سلسلے میں امام رحمہ اللہ سے منقول تمام اقوال کا جائزہ لیجئے تو معلوم ہوتا ہے کہ امام ایک وقت تک اس کے متعلق جستجو کرتے رہے، پھر مکمل تحقیق کے بعد یہ فیصلہ سنایا کہ واقدی کذاب ہے۔

ابو عبد اللہ معاویہ بن صالح نے امام رحمہ اللہ سے واقدی کے متعلق پوچھا تو فرمایا:

---

[1] (الضعفاء الكبير للعقيلي: 4/107)

[2] (العلل لابن ابی حاتم: 1/170)

’’کذاب ہے۔‘‘ [1]

امام بخاری ؒ فرماتے ہیں کہ احمد بن حنبل نے واقدی کو جھوٹا قرار دیا ہے۔ [2]

جس دن یہ شخص فوت ہوا تو جوزجانی ؒ نے امام احمد سے اس کا ذکر کیا، تو آپ فرمانے لگے:

”حولت كتبه ظهائر للكتب منذ حين أو قال منذ زمان.“

’’ہم تو ایک عرصہ ہوا، اس کی کتابوں کو ردی کی ٹوکری میں پھینک چکے۔‘‘ [3]

آخر میں امام شافعی ؒ کے قول کو قول فیصل کے طور پر ذکر کرتا ہوں، آپ فرماتے ہیں کہ:

”كتب الواقدي كذب.“

’’واقدی کی کتابیں جھوٹ کا پلندہ ہیں۔‘‘ [4]

یعنی کل کتابیں ہی جھوٹ قرار دی ہیں، ان میں سے آپ نے تاریخ اور عدم تاریخ کا فرق نہیں کیا۔

تیسری دلیل واقدی کے علم کو بنایا گیا ہے، تو اس میں کوئی شک نہیں کہ واقدی بہت بڑا عالم تھا، یہ مگر آدھا سچ ہے، وہ بہت بڑا عالم ہونے کے ساتھ وضع حدیث کا مجرم بھی تھا، اسی لئے محدثین کا تعامل اس کے ساتھ یہ تھا کہ وہ اسے تاریخ میں بھی ثقہ تسلیم نہیں کرتے تھے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ ؒ فرماتے ہیں:

’’علم کے سلسلے میں محض واقدی پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔‘‘ [5]

اس طرح فرماتے ہیں:

’’اہل علم کا اتفاق ہے کہ واقدی کی خبر حجت نہیں ہو سکتی۔‘‘ [6]

گو یہ اقوال اپنی مراد میں بالکل واضح ہیں، لیکن حافظ ذہبی ؒ کا قول ان کا معنی و مراد بالکل واضح کر دیتا ہے، آپ فرماتے ہیں:

”وَقَدْ تَقَرَّرَ أَنَّ الوَاقِدِيَّ ضَعِيفٌ، يُحتَاجُ إِلَيهِ فِي الغَزَوَاتِ وَالتَّارِيخِ، وَنُوْرِدُ آثَارَهُ مِنْ غَيْرِ احْتِجَاجٍ، أَمَّا فِي الفَرَائِضِ، فَلاَ يَنْبَغِي أَنْ يُذْكَرَ.“

’’واقدی کا ضعیف ہونا تو یقینی ہے، لیکن غزوات اور تاریخ میں ہم کو اس کی حاجت پیش آتی ہے، اور ہم ان معاملات میں اس کے آثار ذکر کر دیتے ہیں، ان سے احتجاج مگر نہیں پکڑتے، فرائض کے معاملے میں تو خیر اس کا ذکر ہی نہیں کیا جا سکتا۔‘‘ [7]

یہاں ہمیں انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ بعض احباب نے حافظ ذہبی ؒ کا یہ قول آدھا پیش کیا ہے، حافظ ذہبی ؒ کے

---

[1] (الضعفاء الكبير للعقيلي: 1666)

[2] (الكامل في التاريخ: 1719)

[3] (احوال الرجال: ت، 228، ص، 230)

[4] (الجرح والتعديل لابن حاتم: 8/21)

[5] (مجموع الفتاوى: 27/469)

[6] (مجموع الفتاوى: 21/41)

[7] (سير اعلام النبلاء: 6/469)

نظریے کے مطابق، آثاروغزوات میں اس کی حاجت ضرور ہے،لیکن اس کا یہ بیان حجت کے درجے میں نہیں۔

تو ہمارے عزیز نے صرف اتنی سی بات ذکر کردی کہ تاریخ میں ہم واقدی کے محتاج ہیں، اگلی بات ذکر کرنے سے جانے کیوں رک گئے، اس پر ہم تو صرف اتنا ہی عرض کرسکتے ہیں کہ قبلہ! یہ بھی علمی رویہ نہیں ہے۔

حافظ ذہبی کے نظریہ کی مزید وضاحت خود شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ہی کے قول سے ہوجاتی ہے، آپ ایک خط کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

”وما ذكره الواقدي عن أشياخه يوضح ذلك ويؤيده وإن كان الواقدي لا يحتج به إذا انفرد لكن لا ريب في علمه بالمغازي واستعلام كثير من تفاصيلها من جهته ولم نذكر عنه إلا ما أسندناه عن غيره.“

''واقدی کا بیان اس کی وضاحت کرتا اور اس کی تائید کرتا ہے، گو کہ واقدی اپنی منفرد روایات میں احتجاج کے قابل نہیں ہے، لیکن مغازی اور اس کی تفصیلات میں واقدی کے علم میں کوئی شبہ نہیں ہے، اور ہم واقدی کی صرف وہ روایت ذکر کرتے ہیں، جس کو واقدی کے سوا دیگر لوگوں نے بھی بیان کیا ہوتا ہے۔'' [1]

یعنی تاریخ میں واقدی اکیلے کا بیان حجت نہیں، صرف ذکر کیا جاسکتا ہے اور وہ بھی اس صورت میں جب کوئی اس شخص کی متابعت کررہا ہو، حدیث میں تو خیر یہ اس قابل ہی نہیں کہ اس کا ذکر کیا جائے۔ جیسا کہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے وضاحت کی ہے۔ بلکہ امام بیہقی فرماتے ہیں:

''واقدی کی متابعت بھی کسی کام کی نہیں۔'' [2]

تو چند چیزیں واضح ہوئیں:

① واقدی وضع حدیث کا مجرم ہے اور ایسے مجرم کو تاریخ تو چھوڑ، کسی بھی معاملے میں حجت نہیں مانا جاسکتا۔

② حدیث می اس کی متابعت بھی کسی کام کی نہیں۔

③ تاریخ میں اگر کسی کی متابعت کرے یا کسی روایت کی وضاحت کرے تو اس کا ذکر کیا جاسکتا ہے۔

④ واقدی کا عمومی حکم اسرائیلی روایات والا بنتا ہے، اس کی بیان کردہ جو تاریخ احادیث صحیحہ کے خلاف ہوگی، رد کردی جائے گی، کسی پر الزام وغیرہ کے سلسلے میں اس کو قابل اعتناء نہیں سمجھا جائے گا، اس کی روایات بس ذکر کی جائیں گی، تکذیب یا تصدیق ممکن ہوئی تو درست وگرنہ خاموشی اختیار کی جائے گی۔ اس کی مثال لیجئے، امام حسن بصری فرماتے ہیں کہ مہاجرین وانصار میں سے کوئی بھی قتل عثمان میں شریک نہیں تھا۔[3] واقدی مگر صحابہ کو ملوث قرار دیتا ہے، تو ہم اس بات کو واقدی کا جھوٹ قرار دیں گے، کیوں کہ صحیح سند کی مخالفت کررہا ہے۔ اسی طرح ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کا مسئلہ ہے، واقدی کہتا ہے کہ چھ یا سات ہجری کو ہوگیا تھا، صحیح احادیث مگر اس کے خلاف ہیں، تو ہم صحیح احادیث کو لیں گے، واقدی کے بیان کو نہیں لیں گے۔ واللہ اعلم!

آئندہ مضمون میں ہم تاریخ میں تساہل اور اس کی حدود پر کچھ مزید بحث کریں گے، اور دیگر سوالوں کو بھی زیر بحث لانے کی کوشش کریں گے، ساتھ رہئے گا، مولائے کریم! ہم کو حق سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

---

[1] (الصارم المسلول علی شاتم الرسول: 75)

[2] (السنن الکبری: 5/47)

[3] (تاریخ خلیفہ بن خیاط: ص 176)

# وراثت میں سے بیٹیوں اور بہنوں کو حصہ دو

عمران محمدی

اسلام انسان کے لئے مکمل ضابطہ حیات ہے، اسلام کی بہت سی خصوصیات ہیں، انہی میں یہ خصوصیت بھی ہے کہ اسلام نے انسان کے لئے تقسیم میراث کا بہترین نظام دیا ہے۔ اسلام نے بہت سارے امور کی رعایت کرتے ہوئے میراث کا نظام بنایا ہے، جس میں مرد کے ساتھ ساتھ عورت کو بھی میراث کا حقدار بنایا گیا ہے۔

مگر افسوس کہ شروع دن سے ہی بیٹی کو کم تر سمجھا جاتا ہے، بیٹے اور بیٹی میں حقوق کا عدم توازن قائم کیا جاتا ہے، حتی کہ بیٹی کا پہلا حق جو اکثر لوگ کھا جاتے ہیں وہ اس کی پیدائش کی خوشی ہے!

**بیٹیوں کو چھوڑ کر صرف بیٹوں کے لیے وقف کرنا جاہلیت کا کام ہے:**

زمانہ جاہلیت کی ایک رسمِ بد کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَٰذِهِ الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِذُكُورِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلَىٰ أَزْوَاجِنَا وَإِنْ يَكُنْ مَيْتَةً فَهُمْ فِيهِ شُرَكَاءُ سَيَجْزِيهِمْ وَصْفَهُمْ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ﴾

''اور انھوں نے کہا جو ان چوپاؤں کے پیٹ میں ہے وہ خالص ہمارے مردوں کے لیے ہے، اور ہماری بیویوں پر حرام کیا ہوا ہے، اور اگر وہ مردہ ہو تو وہ سب اس میں شریک ہیں۔ عنقریب وہ انھیں ان کے کہنے کی جزا دے گا۔ بے شک وہ کمال حکمت والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔'' [1]

علامہ سیوطی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اسْتَدَلَّ مَالِكٌ بِقَوْلِهِ {خَالِصَةٌ لِّذُكُورِنَا وَمحرَّمٌ عَلٰى اَزْوَاجِنَا} عَلٰى أَنَّهُ لَا يَجُوْزُ الْوَقْفُ عَلٰى أَوْلَادِ الذُّكُوْرِ دُوْنَ الْبَنَاتِ، وَأَنَّ ذٰلِكَ الْوَقْفَ يُفْسَخُ، وَلَوْ بَعْدَ مَوْتِ الْوَاقِفِ، لِأَنَّ ذٰلِكَ مِنْ فِعْلِ الجاهِلِيَّةِ۔"

''امام مالک نے ارشاد باری تعالیٰ [ترجمہ: صرف ہمارے مردوں کے لیے ہے اور ہماری خواتین پر حرام کیا گیا ہے] سے استدلال کیا ہے، کہ بیٹیوں کو چھوڑ کر صرف بیٹوں کے لیے وقف کرنا جائز نہیں اور ایسا وقف، وقف کرنے والے کی موت کے بعد بھی منسوخ کیا جائے گا، کیونکہ یہ زمانہ جاہلیت کے لوگوں کا طریقہ ہے۔'' [2]

**اپنی اولاد کے درمیان عدل کریں:**

اسلام نے والدین کو سختی سے روکا ہے کہ وہ ساری نوازشات ایک بیٹے یا بیٹی پر نہ کریں، اگر اپنی زندگی میں کچھ وقف کر رہے ہیں تو ساری اولاد میں انصاف کریں۔

---

[1] (الأنعام:139)

[2] (الإكليل في استنباط التنزيل:122)

اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿اِعۡدِلُوۡا هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰى﴾

’’عدل کرو یہ تقوی کے زیادہ قریب ہے۔‘‘ [1]

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

میرے باپ نے مجھے عطیہ دیا، تو میری ماں عمرہ بنت رواحہ رضی اللہ عنہا نے کہا: جب تک آپ رسول اللہ ﷺ کو اس پر گواہ نہ بنائیں گے، میں راضی نہیں ہوں گی۔ چنانچہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

میں نے عمرہ بنت رواحہ سے اپنے بیٹے کو عطیہ دیا، تو یا رسول اللہ! اس [یعنی بیوی] نے مجھے حکم دیا ہے، کہ آپ ﷺ کو گواہ بناؤں۔

آنحضرت ﷺ نے پوچھا:

’’أَعْطَيْتَ سَائِرَ وَلَدِكَ مِثْلَ هٰذَا؟‘‘

’’کیا تم نے باقی ماندہ اولاد کو (بھی) ایسا ہی عطیہ دیا ہے؟‘‘

انہوں نے عرض کیا:

’’لَا‘‘

’’نہیں۔‘‘

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

’’فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْدِلُوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ۔‘‘

’’پس تم اللہ تعالی سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل کرو۔‘‘

انہوں نے بیان کیا: وہ واپس آئے اور اپنا عطیہ واپس لے لیا۔ [2]

سنن ابوداود میں الفاظ یہ ہیں:

’’اعْدِلُوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ اعْدِلُوا بَيْنَ أَبْنَائِكُمْ.‘‘

’’اپنی اولاد میں انصاف کرو، اپنے بیٹوں میں انصاف کرو۔‘‘ [3]

اس قصہ کو اچھی طرح سمجھنے کی خاطر دیگر روایات کے الفاظ بھی توفیق الہی سے نقل کئے جا رہے ہیں:

صحیح مسلم میں ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

’’فَلَا تُشْهِدْنِي إِذًا، فَإِنِّي لَا أَشْهَدُ عَلَى جَوْرٍ۔‘‘

’’پھر مجھے گواہ نہ بناؤ، کیونکہ بے شک میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا۔‘‘ [4]

---

[1] (المائدة:8)

[2] (صحيح البخاري:2587)

[3] (حديث:3544)

[4] (حديث:1623)

صحیح مسلم میں ہی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"فَلَيْسَ يَصْلُحُ هٰذَا، وَإِنِّي لَا أَشْهَدُ إِلَّا عَلٰى حَقٍّ۔"

"یہ درست نہیں اور یقینا میں حق کے علاوہ کسی اور بات پر گواہ نہیں بنتا۔" [1]

سنن النسائی میں ہے:

"أَلَا سَوَّيْتَ بَيْنَهُمْ؟"

"تم نے ان کے درمیان مساوات کیوں نہیں کی؟" [2]

صحیح ابن حبان میں ہے:

"سَوِّ بَيْنَهُمْ"

"ان کے درمیان مساوات کرو۔" [3]

صحیح مسلم اور سنن النسائی میں ہے:

"فَأَرْجِعْهُ"

"پس اسے واپس لے لو۔" [4]

## عدل کرنے والوں کے لیے نور کے منبر ہوں گے:

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"إِنَّ الْمُقْسِطِينَ عِنْدَ اللهِ عَلَى مَنَابِرَ مِنْ نُورٍ عَنْ يَمِينِ الرَّحْمٰنِ عَزَّ وَجَلَّ وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِينٌ الَّذِينَ يَعْدِلُونَ فِي حُكْمِهِمْ وَأَهْلِيهِمْ وَمَا وَلُوا."

"بے شک انصاف کرنے والے جو اپنے فیصلے میں، اپنے اہل وعیال میں اور رعایا میں انصاف کرتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے پاس نور کے منبروں پر ہوں گے، رحمان عزوجل کے دائیں طرف ہوں گے اور رحمان کے دونوں ہاتھ ہی دائیں ہیں۔" [5]

## لڑکے ہوں یا لڑکیاں؛ ہر ایک کا حق اللہ تعالیٰ نے خود مقرر کیا ہے:

اللہ تعالیٰ قرآن میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ

---

[1] (حديث:1624)

[2] (حديث:3687)

[3] (حديث:5098)

[4] (صحيح مسلم:1623، سنن النسائي:3676)

[5] (صحيح مسلم:1827)

آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾

''اللہ تمھیں تمھاری اولاد کے بارے میں تاکیدی حکم دیتا ہے، مرد کے لیے دو عورتوں کے حصے کے برابر حصہ ہے، پھر اگر وہ دو سے زیادہ عورتیں (ہی) ہوں، تو ان کے لیے اس کا دو تہائی ہے جو اس نے چھوڑا اور اگر ایک عورت ہو تو اس کے لیے نصف ہے۔ اور اس کے ماں باپ کے لیے، ان میں سے ہر ایک کے لیے اس کا چھٹا حصہ ہے، جو اس نے چھوڑا، اگر اس کی کوئی اولاد ہو۔ پھر اگر اس کی کوئی اولاد نہ ہو اور اس کے وارث ماں باپ ہی ہوں تو اس کی ماں کے لیے تیسرا حصہ ہے، پھر اگر اس کے (ایک سے زیادہ) بھائی بہن ہوں تو اس کی ماں کے لیے چھٹا حصہ ہے، اس وصیت کے بعد جو وہ کر جائے، یا قرض (کے بعد)۔ تمھارے باپ اور تمھارے بیٹے تم نہیں جانتے ان میں سے کون فائدہ پہنچانے میں تم سے زیادہ قریب ہے، یہ اللہ کی طرف سے مقرر شدہ حصے ہیں، بے شک اللہ ہمیشہ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔'' [1]

### اللہ تعالیٰ نے بھائی کے حصے کے لیے معیار بہن کے حصہ کو بنایا:

گزشتہ آیت میں ﴿للذکر مثل حظ الانثیین﴾ میں لطیف نکتہ یہ ہے کہ پیمانہ اور بنیاد بیٹی کا حصہ بنایا گیا ہے۔ گویا بیٹی کا حصہ پہلے مقرر اور طے شدہ ہے، اور بیٹے کا اسی کے مطابق مقرر کرنا ہوگا۔ جیسے ایک ڈاکٹر کسی مریض سے کہتا ہے کہ یہ سیرپ صبح وشام ایک ایک چمچ استعمال کرنا ہے گویا چمچ کی مقدار اور سائز ایک طے شدہ چیز ہے جسے سب جانتے ہیں اس کے متعلق بتانے یا پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں ہے بس سیرپ کو اس کے حساب سے ماپ تول کرنا ہے۔

ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا لڑکے کو لڑکی سے دوگنا دینا ہے گویا لڑکی کا حصہ ایسا اٹل اور طے شدہ ہے جس کے متعلق بتانے کی ضرورت ہی نہیں ہے، بس لڑکے کا حصہ اس کے مطابق چیک کرنا ہے۔

### بیٹی یا بہن کا حصہ ان کی امانت ہے:

یہ وراثتی حصہ امانت ہے ان وارثوں کی جن کو قرآن نے وارث ٹھہرایا ہے۔ اس امانت کو جلد از جلد اس کے وراثوں کے حوالے کریں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا﴾

''بے شک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں کو ادا کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو، یقیناً اللہ تمھیں یہ بہت ہی اچھی نصیحت کرتا ہے۔ بے شک اللہ ہمیشہ سے سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔'' [2]

اور فرمایا:

﴿فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ﴾

---

[1] (النساء:11)

[2] (النساء:58)

''تو جسے امانت دی گئی ہے وہ اپنی امانت ادا کرے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے۔'' [1]

**بیٹی کو اس کا حق دو:**

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا﴾

''اور رشتہ دار کو اس کا حق دے اور مسکین اور مسافر کو اور مت بے جا خرچ کر، بے جا خرچ کرنا۔'' [2]

ذا القربیٰ میں بیٹی بھی آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ﴾

''اور عورتوں کے لیے بھی اس میں سے ایک حصہ ہے جو والدین اور قریبی رشتہ دار چھوڑ جائیں۔'' [3]

میراث صرف مردوں ہی کا حصہ نہیں ہے بلکہ عورتیں بھی اس کی حق دار ہیں۔ حتیٰ کہ چھوٹے بچوں اور جنین کا بھی حق ہے۔ اس سے عرب کے جاہلی دستور کی تردید مقصود ہے۔ جس کے مطابق عورتوں اور بچوں کو میت کے متروکہ مال اور جائداد سے محروم کر دیا جاتا اور صرف بالغ لڑکے ہی جائیداد پر قبضہ کر لیتے تھے۔

**ترکہ کی مقدار اگرچہ انتہائی کم ہو، پھر بھی ہر وارث کو اس کا حصہ دیا جائے گا:**

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا﴾

''مردوں کے لیے اس میں سے ایک حصہ ہے جو والدین اور قریبی رشتہ دار چھوڑ جائیں اور عورتوں کے لیے بھی اس میں سے ایک حصہ ہے جو والدین اور قریبی رشتہ دار چھوڑ جائیں، اس میں سے جو اس (مال) سے تھوڑا ہو یا بہت، اس حال میں کہ مقرر کیا ہوا حصہ ہے۔'' [4]

مودودی صاحب لکھتے ہیں:

''میراث بہر حال تقسیم ہونی چاہیے خواہ وہ کتنی ہی کم ہو، حتیٰ کہ اگر مرنے والے نے ایک گز کپڑا چھوڑا ہے اور دس وارث ہیں تو اسے بھی دس حصوں میں تقسیم ہونا چاہیے۔ یہ اور بات ہے کہ ایک وارث دوسرے وارثوں سے ان کا حصہ خرید لے۔'' [5]

**کسی کا ایک لاٹھی برابر مال بھی اس کی رضامندی کے بغیر کھانا حرام ہے:**

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

---

[1] (البقرۃ:283)

[2] (الإسراء:26)

[3] (النساء:7)

[4] (النساء:7)

[5] (تفہیم القرآن، سورۃ النساء، حاشیہ نمبر:12)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا﴾

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تمھارے لیے حلال نہیں کہ زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ۔‘‘ [1]

حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”لَا يحلُّ لِلرَّجُلِ أَنْ يَأْخُذَ عَصَا أَخِيهِ بِغَيْرِ طِيبِ نَفْسِهِ وَذَلِكَ لِشِدَّةِ مَا حَرَّمَ رَسُولُ اللهِ صَلىَ اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَالِ المسلِمِ علَى المسلِمِ.“

’’کسی شخص کے لئے اپنے کسی بھائی کی لاٹھی بھی اس کی دلی رضامندی کے بغیر لینا جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کا مال حرام قرار دیا ہے۔‘‘ [2]

یادرکھیں کہ آج کل جو بہنیں اپنے بھائیوں کو وراثت میں سے اپنا حصہ معاف کردیتی ہیں وہ دل کی رضامندی سے نہیں کرتیں، حقیقت میں ان کا یہ فیصلہ مجبوری کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ وہ بے چاریاں سمجھتی ہیں کہ اگر ہم نے باپ کی وراثت میں اپنے بھائیوں سے حصہ لے لیا تو پھر ہم ان سے مل نہیں سکتیں، لوگ ہمیں باتیں کریں گے، ہم کس منہ سے اپنے بھائی کے گھر آئیں گی ان کی یہ مجبوری بن جاتی ہے۔

کبھی سوچا کہ چھوٹی عمر میں تو جو کچھ بھائی کو ملتا تھا وہی بہن بھی مانگتی تھی، برابر کا جیب خرچ، برابر کے کپڑے، مگر شادی ہوجانے کے بعد وہ کون سی مجبوری ہے کہ بہن اپنا سارا حصہ بھائی کو چھوڑ دیتی ہے؟!

آپ نے کبھی ایسا نہیں دیکھا ہوگا کہ کسی بھائی نے اپنی بہن کو حصہ معاف کردیا ہو کہ میں نہیں لیتا میری بہن کو دے دو سوچیں ایسا کیوں ہے؟!

## کسی شخص کو بھی وراثت کے حصوں میں کمی بیشی کا اختیار نہیں ہے:

شریعت میں جس کا جو حصہ مقرر ہے وہی اٹل ہے، اس میں کسی بھی کمی بیشی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ان میں ردوبدل کا اختیار کسی شخص کو حاصل ہے نہ ہی کسی حکومت کو۔

اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿نَصِيبًا مَفْرُوضًا﴾

’’مقرر کیا ہوا حصہ ہے۔‘‘ [3]

اور فرمایا:

﴿فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ﴾

’’یہ اللہ کی طرف سے مقرر شدہ حصے ہیں۔‘‘ [4]

---

[1] (النساء:19)

[2] (مسند احمد:22504)

[3] (النساء:7)

[4] (النساء:11)

## کوئی ایک کسی دوسرے کو عاق نہیں کر سکتا:

بعض اوقات والدین اپنی اولاد میں سے کسی ایک کو اس کے ساتھ ناراضگی کی وجہ سے وراثت سے محروم کرنے کے لیے اسے عاق کر دیتے ہیں۔ یا کسی حصہ دار کو محض مؤنث ہونے کی وجہ سے محروم کر دیا جاتا ہے، جبکہ یہ جائز نہیں ہے۔

اگر وہ نافرمان ہے تو اس کی نافرمانی کا وبال اسی کے سر ہوگا، اور اگر وہ مؤنث ہے تو اس میں اس کا کیا قصور ہے؟ لیکن اس بنیاد پر اسے وراثت سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰٓ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ﴾

''اور کسی قوم کی دشمنی تمھیں ہرگز اس بات کا مجرم نہ بنادے کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کرو، یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔'' [۱]

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''أَعْطِ كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ.''

''ہر حقدار کو اس کا حق دو۔'' [۲]

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''ألحقوا الفرائض بأهلها.''

''حصہ داروں کو ان کے مقررہ حصے دو۔'' [۳]

نیز قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ﴾

''اللہ تمھیں تمھاری اولاد کے بارے میں تاکیدی حکم دیتا ہے مرد کے لیے دو عورتوں کے حصے کے برابر حصہ ہے۔'' [۴]

اور فرمایا:

﴿وَصِيَّةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ﴾

''یہ اللہ کی طرف سے تاکیدی حکم ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا، نہایت بردبار ہے۔'' [۵]

## یتیم بھتیجے بھتیجیوں کا مال کھانے والوں کے متعلق وعید:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا﴾

---

[۱] (المائدہ:8)

[۲] (صحيح البخاري:5788)

[۳] (صحيح البخاري:6746)

[۴] (النساء:11)

[۵] (النساء:12)

’’بے شک جو لوگ یتیموں کے اموال ظلم سے کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ کے سوا کچھ نہیں کھاتے اور وہ عنقریب بھڑکتی آگ میں داخل ہوں گے۔‘‘ [1]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

’’سات تباہ کن چیزوں سے اجتناب کرو۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ کیا ہیں؟ فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو، اس جان کو ناحق قتل کرنا جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، جنگ کے دن پیٹھ پھیرنا اور پاک دامن، بھولی بھالی عورتوں پر تہمت لگانا۔‘‘ [2]

## نبی کریم ﷺ نے دو یتیم لڑکیوں کو ان کے چچا سے حصہ لے کر دیا:

صحابی سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ وفات پا گئے تو ان کی بیٹیوں کے چچا نے سارا ورثہ سنبھال لیا۔ سعد رضی اللہ عنہ کی دو لڑکیاں تھیں۔ ان کی بیوی نے آپ ﷺ سے ورثے کا سوال کیا تو یہ آیت ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ﴾ نازل ہوئی۔ آپ ﷺ نے لڑکیوں کے چچا کو پیغام بھیجا کہ سعد کی دو بیٹیوں کو دو تہائی اور ان کی ماں کو آٹھواں حصہ دے دو اور جو بچ جائے وہ تمھارے لیے ہے۔ [3]

## شرعی تقسیم پر عمل نہ کرنے والوں کی سزا:

اللہ تعالیٰ نے وراثت کے احکامات بیان کرنے کے بعد فرمایا:

﴿وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُّهِينٌ﴾

’’اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی حدوں سے تجاوز کرے وہ اسے آگ میں داخل کرے گا، ہمیشہ اس میں رہنے والا ہے اور اس کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔‘‘ [4]

## خائن قیامت کے دن اپنی خیانت سمیت لائن حاضر کیا جائے گا:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَن يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾

’’اور جو خیانت کرے گا قیامت کے دن لے کر آئے گا جو اس نے خیانت کی۔‘‘ [5]

گن پوائنٹ پر یا ورغلا کر یا سبز باغ دکھا کر اپنی بہنوں سے انگوٹھے لگوا لینا اور ان کی جائیداد اپنے نام کر لینا بدترین خیانت ہے۔

## قیامت کے دن خیانت کی ہوئی چیز خائن کی گردن پر بیٹھ کر آوازیں لگائے گی:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”وَلَا يَأْتِي أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِشَاةٍ يَحْمِلُهَا عَلَى رَقَبَتِهِ لَهَا يُعَارٌ، فَيَقُولُ: يَا مُحَمَّدُ، فَأَقُولُ: لَا أَمْلِكُ لَكَ

---

[1] (النساء:10)

[2] (صحيح البخاري:6857)

[3] (سنن أبي داؤد:2891، وقال الألباني: حسن)

[4] (النساء:14)

[5] (آل عمران:161)

شَيْئًا قَدْ بَلَّغْتُ وَلَا يَأْتِي بِبَعِيرٍ يحملهُ عَلَى رَقَبَتِهِ لَهُ رُغَاءٌ، فَيَقُولُ: يَا مُحَمَّدُ، فَأَقُولُ: لَا أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللهِ شَيْئًا قَدْ بَلَّغْتُ."

''کہ کوئی شخص قیامت کے دن اس طرح نہ آئے کہ وہ اپنی گردن پر ایک ایسی بکری اٹھائے ہوئے ہو جو چلا رہی ہو اور وہ (شخص) مجھ سے کہے کہ اے محمد (ﷺ)! مجھے عذاب سے بچائیے میں اسے یہ جواب دوں گا کہ تیرے لیے میں کچھ نہیں کرسکتا (میرا کام پہنچانا تھا) سو میں نے پہنچا دیا۔ اسی طرح کوئی شخص اپنی گردن پر اونٹ لیے ہوئے قیامت کے دن نہ آئے کہ اونٹ چلا رہا ہو اور وہ خود مجھ سے فریاد کرے' اے محمد (ﷺ)! مجھے بچائیے اور میں یہ جواب دے دوں کہ تیرے لیے میں کچھ نہیں کرسکتا۔ میں نے تجھ کو (اللہ کا حکم) پہنچا دیا تھا۔'' [1]

ہمیں یہ بات سوچنا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن ہماری بہن ہماری بیٹی ہمارے کاندھوں پر بیٹھی ہو اور آواز دے دے کر اپنا حق مانگ رہی ہو۔ یا باپ کی وراثت میں سے جائیداد کا وہ حصہ جو بہن کا بنتا تھا اور ہم نے اس کو نہیں دیا، وہ حصہ ہمارے کاندھوں پر لدا ہو اور لوگوں کے سامنے ہماری رسوائی کا سبب بن رہا ہو!

## ایک بالشت زمین پر ناجائز قبضہ کرنے والا قیامت کے دن سات زمینوں کا بوجھ اٹھائے گا:

سعید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"مَنْ أَخَذَ شِبْرًا مِنَ الأَرْضِ ظُلْمًا، فَإِنَّهُ يُطَوَّقُهُ يَوْمَ القِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرَضِينَ."

''جس نے ایک بالشت زمین بھی ظلم سے کسی کی دبا لی تو قیامت کے دن ساتوں زمینوں کا طوق اس کی گردن میں ڈالا جائے گا۔'' [2]

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک انسان سات زمینیں کیسے اٹھا سکتا ہے؟ کیا چھ فٹ کے انسان کی گردن میں سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا؟ یہ تو ممکن نہیں ہے عقل اس کو تسلیم نہیں کرتی تو اس کا جواب یہ کہ قیامت کے احوال کا ہمیں ادراک نہیں۔ اللہ اس بات پر قادر ہے کہ اس شخص کو ساتوں زمینیں اٹھوا دے اور ان کے بوجھ کی اذیت محسوس کروائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ قیامت کے دن گنہگار لوگوں کے گناہوں کے مطابق ان کے جسم بہت بڑے ہو جائیں گے۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ جہنمی کی ایک داڑھ احد پہاڑ کے برابر ہو جائے گی اور ان کے کندھوں کے درمیان فاصلہ بہت زیادہ ہو جائے گا۔

اور اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ وہ سات زمینوں کے اندر نیچے تک دھنسا دیا جائے گا۔ واللہ اعلم

## ایک چادر کے برابر خیانت بھی جہنم کا سبب بن سکتی ہے:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خیبر سے واپسی پر رسول اللہ ﷺ وادی القریٰ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب وہاں پہنچے تو آپ ﷺ کا غلام ''مدعم'' آپ ﷺ کی اونٹنی سے پالان اتار رہا تھا کہ اسے ایک اندھا تیر لگا جس نے اسے قتل کر دیا، لوگوں نے کہا، اسے جنت مبارک ہو تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہرگز نہیں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! وہ چادر جو اس نے خیبر کے دن غنیمتوں میں سے لی تھی،

---

[1] (صحيح البخاري:1402)

[2] (صحيح البخاري:3198)

جو ابھی تقسیم نہیں ہوئی تھیں، اس پر آگ بن کر شعلے مار رہی ہے۔'' [1]

**قیامت کے دن حقوق واپس کرنے پڑیں گے حتیٰ کہ بغیر سینگوں والی بکری کو بھی اس کا حق لے کر دیا جائے گا:**

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''لَتُؤَدُّنَّ الحقوقَ إِلَى أَهْلِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى يُقَادَ لِلشَّاةِ الجلْحاءِ مِنَ الشَّاةِ الْقَرْنَاءِ.''

''قیامت کے دن تم لوگوں سے حقداروں کے حقوق ادا کروائے جائیں گے یہاں تک کہ بغیر سینگ والی بکری کا بدلہ سینگ والی بکری سے لے لیا جائے گا۔'' [2]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''أَتَدْرُونَ مَا المفْلِسُ قَالُوا المفْلِسُ فِينَا مَنْ لَا دِرْهَمَ لَهُ وَلَا مَتَاعَ فَقَالَ إِنَّ المفْلِسَ مِنْ أُمَّتِي يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلَاةٍ وَصِيَامٍ وَزَكَاةٍ وَيَأْتِي قَدْ شَتَمَ هَذَا وَقَذَفَ هَذَا وَأَكَلَ مَالَ هَذَا وَسَفَكَ دَمَ هَذَا وَضَرَبَ هَذَا فَيُعْطَى هَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ وَهَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ فَإِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهُ قَبْلَ أَنْ يُقْضَى مَا عَلَيْهِ أُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ.''

''کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے صحابہؓ نے عرض کیا ہم میں مفلس وہ آدمی ہے کہ جس کے پاس مال اسباب نہ ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن میری امت کا مفلس وہ آدمی ہوگا کہ جو نماز روزے زکوۃ وغیرہ سب کچھ لے کر آئے گا لیکن اس آدمی نے دنیا میں کسی کو گالی دی ہوگی اور کسی پر تہمت لگائی ہوگی اور کسی کا مال کھایا ہوگا اور کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا تو ان سب لوگوں کو اس آدمی کی نیکیاں دے دی جائیں گی اور اگر اس کی نیکیاں ان کے حقوق کی ادائیگی سے پہلے ہی ختم ہوگئیں تو ان لوگوں کے گناہ اس آدمی پر ڈال دئے جائیں گے پھر اس آدمی کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔'' [3]

**مرتے وقت وصیت میں کسی کو نقصان پہنچانے والا جہنم میں جائے گا:**

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ وَالمرْأَةَ بِطَاعَةِ اللهِ سِتِّينَ سَنَةً ثُمَّ يحضُرُهما الموْتُ فَيُضَارَّانِ فِي الْوَصِيَّةِ فَتَجِبُ لهما النَّارُ.''

''بے شک آدمی اور عورت ساٹھ سال تک اللہ کی اطاعت میں نیک عمل کرتے رہتے ہیں، پھر انہیں موت آتی ہے تو وہ وصیت میں کسی کو نقصان پہنچا جاتے ہیں، تو ان دونوں کے لیے جہنم کی آگ واجب ہو جاتی ہے۔'' [4]

جنت سے ایک بالشت کے فاصلے سے جہنم کی طرف سفر کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مرتے وقت وصیت میں کسی کا حق مار جائے یا تقسیم وراثت غلط کر جائے۔

---

[1] (صحيح البخاري: 6707)

[2] (صحيح مسلم: 6580)

[3] (صحيح مسلم: 6579)

[4] (سنن أبي داؤد: 2867، سنن الترمذي: 2117، ضعفه الألباني)

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''وصیت میں نقصان پہنچانا کبیرہ گناہ ہے۔'' [1]

**باپ اگر غلط وصیت کر بھی جائے تو اولاد پر لازم ہے کہ اسے شرعی حکم کے مطابق درست کرے:**

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَمَنۡ خَافَ مِن مُّوصٖ جَنَفًا أَوۡ إِثۡمٗا فَأَصۡلَحَ بَيۡنَهُمۡ فَلَآ إِثۡمَ عَلَيۡهِۚ إِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٞ رَّحِيمٞ﴾

''پھر جو شخص کسی وصیت کرنے والے سے کسی قسم کی طرف داری یا گناہ سے ڈرے، پس ان کے درمیان اصلاح کر دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، یقیناً اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔'' [2]

**جائیداد چھپانے کے لیے باپ کی طرف سے اپنے نام خود ساختہ وصیت:**

ایسا واقعہ بھی ہو چکا ہے کہ ایک شخص کا باپ فوت ہو گیا۔ ہاسپٹل سے اپنے باپ کی ڈیڈ باڈی گھر لا رہا تھا اور راستے میں ایمبولینس کے اندر پڑے ہوئے مردہ باپ کے انگوٹھے ایک خالی کاغذ پر لگا رہا تھا تاکہ بعد میں اپنی مرضی سے اس پر وصیت لکھ کر اسے باپ کی طرف منسوب کرتے ہوئے جائیداد اپنے نام لگوا سکوں۔ یہ کس قدر خیانت اور سنگ دلی کا شاہکار ہے!

جھوٹی وصیت یا وصیت میں تبدیلی کے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿فَمَنۢ بَدَّلَهُۥ بَعۡدَمَا سَمِعَهُۥ فَإِنَّمَآ إِثۡمُهُۥ عَلَى ٱلَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُۥٓۚ إِنَّ ٱللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٞ﴾

''پھر جو شخص اسے بدل دے، اس کے بعد کہ اسے سن چکا ہو تو اس کا گناہ انھی لوگوں پر ہے جو اسے بدلیں، یقیناً اللہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔'' [3]

**ایک تہائی حصہ وصیت کرنے کی اجازت ہے:**

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، کہ انہوں نے بیان کیا:

میں مکہ مکرمہ میں اس قدر [شدید] بیمار ہوا، کہ موت کے قریب پہنچ گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لیے تشریف لائے، تو میں نے عرض کیا:

"يَارَسُولَ اللهِ! إِنَّ لِي مَالًا كَثِيرًا، وَلَيْسَ يَرِثُنِي إِلَّا ابْنَتِي، أَفَأَتَصَدَّقُ بِثُلُثَيْ مَالِي؟"

''یارسول اللہ! ۔ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ بلاشبہ میرے پاس بہت مال ہے اور ایک بیٹی کے سوا میرا کوئی وارث نہیں، کیا میں اپنے مال کا دو تہائی صدقہ کر دوں؟''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لَا"

''نہیں''

---

[1] (السنن الکبریٰ للنسائی: 11026، وسندہ صحیح)

[2] (البقرۃ: 182)

[3] (البقرۃ: 181)

انہوں نے کہا:

”فَالشَّطْرُ؟“

”تو آدھا؟“

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

”لَا“

”نہیں“

میں نے عرض کیا:

”الثُّلُثُ؟“

”ایک تہائی؟“

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

”اَلثُلُثُ كَبِيرٌ، إِنَّكَ إِنْ تَرَكْتَ وَلَدَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَتْرُكَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ . . .“

”ایک تہائی (بھی) بہت ہے، بلاشبہ تم اپنی اولاد کو مال دار چھوڑو، یہ اس سے بہتر ہے، کہ انہیں تنگ دست چھوڑو، کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں......“ [1]

## بہنوں، بیٹیوں کے حق مارنے کی ظالمانہ صورتیں اور بہانے:

چور چوری کرے تو پکڑ کر تھانے دے دیتے ہیں اور کتنے سارے بھائی چور بیٹھے ہیں جنہوں نے مل کر بہن کا حق کھا لیا ہے۔ کئی لوگ سود، چوری، جھوٹ و فریب سے بچتے ہیں اور دیندار ہونے کے دعوے دار ہیں، لیکن میراث کے مسئلے میں بہنوں بیٹیوں کے حقوق کھا کر آگ کے انگارے اپنے پیٹ میں بھرتے ہیں

الغرض یہ ایسے عجیب چور ہیں کہ لوگوں کے مال تو ان کے شر سے محفوظ ہیں لیکن سگی بیٹی یا بہن کی چوری کیئے جا رہے ہیں۔

جو بہن اپنا حقِ وراثت مانگتی ہے معاشرہ اس کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے جیسے اس نے بہت بڑا جرم کر لیا ہے، اس کا بھائیوں کی طرف سے سوشل بائیکاٹ کیا جاتا ہے اور بھائی بہن کے رشتے کو معطل کرنے کی دھمکی دی جاتی ہے۔ ایک کمزور بہن اس کی متحمل نہیں ہو سکتی کہ اس کے بھائی اس کا سوشل بائیکاٹ کر دیں۔

ضلع اوکاڑہ کا واقعہ ہے، ایک بہن نے اپنے بھائیوں سے باپ کی جائیداد سے حصہ مانگ لیا تو بھائیوں نے مل کر بہن کی ٹانگیں توڑ دیں۔ وہ ان کی بڑی بہن تھی، بھائی سارے اس سے چھوٹے تھے۔ وہ بیچاری روتی تھی اور کہتی تھی جب یہ چھوٹے ہوتے تھے میں ان کو کھلاتی تھی، میں ان کو دکان پر لے جاتی تھی، جھولے میں لوری دے کر سلایا کرتی تھی، ماں کے ساتھ مل کر پیار محبت کے ساتھ ہم نے ان کو پالا پوسا ہے، اب یہ بڑے ہو گئے ہیں۔ صرف حصہ مانگنے پر انہوں نے میرے ساتھ یہ سلوک کیا کہ میری ٹانگیں توڑ ڈالی! کتنا بڑا ظلم ہے یہ!!

بعض لوگ جائیداد باہر جانے کے خوف سے اپنی بیٹیوں کی شادی ہی نہیں کرتے یا یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے اپنی بیٹی کی شادی قرآن

---

[1] (صحيح البخاري:6733، صحيح مسلم:1629)

سے کردی ہے! یہ انتہائی شرم ناک، ظالمانہ اور گستاخانہ فعل ہے۔ یہ اللہ تعالی کے غضب کو اپنے ہاتھوں دعوت دینے والی بات ہے، ایسا کرنے والوں کو فوراتوبہ کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی بچی کی شادی کرنی چاہیے۔ یہ بیٹی پر کتنا بڑا ظلم ہے کہ ایک تو اسے جائیداد سے محروم رکھا اور دوسرا اس بیچاری کو نکاح سے محروم رکھا۔

بعض ظالم قسم کے لوگ تو ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وراثت بچانے کے لیے بیٹیوں کا سرے سے انکار ہی کر دیتے ہیں ہیں، یا بہنوں کا انکار ہی کر دیتے ہیں کہ یہ ہماری بیٹیاں بہنیں نہیں ہیں ہمارے ساتھ ان کا بالکل کوئی تعلق نہیں ہے۔

بعض دفعہ باپ اور بیٹے آپس میں مل کر مشورہ کرتے ہیں کہ یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ تم اپنی بہنوں کو مجبور کرو کہ وہ اپنے حق سے دستبردار ہو جائیں، ورنہ تمہارے باپ کی زمین غیروں میں چلی جائے گی۔ جبکہ یہ نہیں سوچتے کہ بیٹی کو جائیداد سے حق دینے کا حکم تو اللہ تعالیٰ کا ہے کیا اللہ تعالیٰ کو یہ علم نہ تھا کہ بیٹی کو حصہ دینے سے زمین غیروں میں چلی جائے گی؟! لوگ بیٹی کو زمین دیتے ہوئے سمجھتے کہ زمین غیروں میں چلی جائے گی مگر داماد کو بیٹی دیتے ہوئے کیوں نہیں سوچتے کہ بیٹی غیروں میں چلی جائے گی؟!

یہ عجیب بات ہے۔ حالانکہ اگر سوچا جائے تو وہ غیر نہیں اپنے ہوتے ہیں ہیں وہ بیٹی آپ کی اپنی ہے، اس کی اولاد نواسے نواسیاں بھانجے بھانجیاں آپ کے اپنے ہیں۔ اگر آپ ان کو حصہ دو گے، تو آپ کی بہن کھائے گی آپ کے بھانجے کھائیں گے، آپ کے نواسے نواسیاں کھائیں گے آپ کا داماد اور بہنوئی کھائے گا۔ بھلا یہ غیر ہیں؟!

اللہ کے بندو! بہن کو بھائیوں کی طرف سے کوئی چیز مل جائے تو پھولی نہیں سماتی لوگوں کو بتاتی ہے کہ یہ میرے بھائی نے مجھے دیا ہے۔ لیکن اگر اس کو جائیداد میں سے پورا حصہ مل جائے تو سوچیں وہ اپنے سسرال میں کتنا فخر کرے گی؟! اگر آپ اپنی بہن کو ایک ہزار روپے کا سوٹ لے کر دیں اور اس کا خاوند اس کو 3000 کا سوٹ لے کر دے۔ اگر چہ خاوند والا سوٹ زیادہ مہنگا اور زیادہ اچھا ہے لیکن وہ آپ کے سوٹ کو زیادہ ترجیح دے گی اور زیادہ خوشی محسوس کرے گی۔ خاص خاص موقعوں پر آپ کا دیا ہوا سوٹ پہنے گی۔ کیا ہم ان بدیہی باتوں پر بھی غور کرنے کے روادار نہیں ہیں؟!

## کیا جہیز وراثت کا متبادل ہو سکتا ہے؟

بعض لوگ بیٹیوں کو جہیز دے کر یہ سمجھ لیتے ہیں کہ انہوں نے وراثت کا حق ادا کر دیا ہے، اب وراثت میں سے صرف بیٹوں کو ہی حصہ ملے گا۔ کیا دنیا دار اور کیا دیندار سب کی یہی حالت ہے۔ چند برتن جہیز میں دے کر اسے اس کے حصے کی جائیداد سے محروم کرنے کی روایت عام ہے۔

خوب سمجھ لیں کہ اگر کوئی شخص اپنی بیٹی کو جہیز میں پوری دنیا کی دولت دے دے، اس کے بعد اس بیٹی کا میراث میں ایک روپیہ بھی حق بنتا ہو تو وہ ایک روپیہ اس بیٹی کا حق ہے۔ یہ اس کو دینا پڑے گا۔ اگر اس دنیا میں نہ دیا تو کل آخرت میں اپنی نیکیوں کو صورت میں دینا پڑے گا۔

جہیز اکثر والدین اپنی زندگی میں اپنی بیٹیوں کو دیتے ہیں، جبکہ وراثت فوت ہونے کے بعد شریعت کے مقرر کردہ حصے ہر وارث کو دینے کا نام ہے۔

## بہنوں کو وراثتی حصہ دینے کی بجائے عیدی، شبراتی، ہاڑی، سونی جیسے تعاون کرنا:

ہمارے معاشرے میں یہ بات عام پائی جاتی ہے کہ بہنوں کو یا بیٹیوں کو وراثت میں ان کا حصہ نہیں دیا جاتا، البتہ عید شبرات یا ہاڑی

سونی کے موقع پر، یا پھر جب کبھی بہن، بھائیوں کی پاس آئے یا جب بھائی، بہن کے گھر جائیں یا پھر خاص خاص موقعوں پر ان کو سوٹ، کپڑے، جوتے لے کر دینا، ان کے لیے موسمی سوغاتیں یا کوئی اور چیزیں لے کر جانا وراثت کا متبادل سمجھی جاتی ہیں۔

یہ ایسا قبیح رواج اور بری رسم ہے کہ اس کے ذریعے فریقین میں سے کسی ایک کو ضرور نقصان پہنچتا ہے۔ اگر تو بہن کا وراثت میں حصہ بہت زیادہ بن رہا تھا، مثال کے طور پر پانچ ایکڑ زمین ملنا تھی جس کی سالانہ آمدنی تقریباً پانچ لاکھ بنتی ہے، تو بہن کو ہر سال پانچ لاکھ سے محروم کر کے عید شبرات کے موقع پر پانچ سات ہزار روپے کے تحائف دے کر ٹرخا دیا جاتا ہے جو کہ بہن پر ظلم ہے۔

اور اگر باپ کا چھوڑا ہوا ورثہ انتہائی کم ہے کہ اگر بہن کو حصہ دیا جائے تو وہ بمشکل دس پندرہ ہزار روپے بنتے ہیں لیکن وہ تقسیم نہ کریں اور بھائی کو دے دیں، پھر بھی بھائی معاشرتی رسم ورواج کے تحت پابند ہے کہ بہن کو عید شبرات اور دیگر مواقع پر تحائف ضرور دے گا اب بھائی بیچارہ بہن کا ہلکا سا حصہ رکھ کر پابند ہے کہ ہر سال ان موقعوں پر اس کو کچھ نہ کچھ تحائف ضرور دے گا اور یوں اس بھائی کے اوپر مستقل ظلم ہوتا ہے۔

## خواتین بھی اپنی روش تبدیل کریں:

اکثر پڑھی لکھی مسلمان عورتیں بھی محض معاشرے کے دباؤ میں آکر بھائیوں کو اپنا حق وراثت معاف کر دیتی ہیں، لیکن یہ معافی دل سے نہیں ہوتی۔ میں نے اپنے استاد گرامی حضرت حافظ عبد السلام بن محمد حفظہ اللہ سے سنا، انہوں نے تقسیم ہند سے پہلے کا ایک واقعہ بیان کیا:

ایک شخص نے اپنی بہنوں کو کہا کہ باپ کی وراثت میں سے تمہارا جو حصہ بنتا ہے وہ تم لے لو۔ بہنیں کہنے لگیں کہ ہم نے حصہ نہیں لینا، اس نے کہا دیکھیں یہ تقسیم اللہ تعالی کا حکم ہے لہٰذا آپ اپنا حصہ لے لیں۔ بہر حال اس نے بہنوں کو ان کا حصہ دے دیا۔ پھر کچھ عرصے کے بعد بہنوں سے کہنے لگا کہ آپ اپنی زمین مجھے دے دیں اور جتنا ٹھیکہ بنتا ہے وہ میں تمہیں دیتا رہوں گا، اور میں اس میں کاشتکاری کرتا ہوں تو وہی بہنیں جو پہلے حصہ لینے کے لیے تیار نہیں تھیں، اب صورتحال یہ ہے کہ بھائی کو ٹھیکے پر بھی زمین نہیں دے رہیں، اور کہتی ہیں کہ ہمیں خود ضرورت ہے۔

معلوم ہوا کہ بھائیوں کی طرح بہنوں کو بھی ضرورت ہوتی ہے لیکن وہ بے چاریاں مجبوراً اپنا حصہ نہیں لیتیں۔

## شرعی تقسیم پر عمل کرنے والوں کا انعام:

وراثت کے حصے مقرر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾

''یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے وہ اسے جنتوں میں داخل کرے گا، جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہنے والے اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔'' [1]

اللہ تعالیٰ نے وراثت کو حدود اللہ قرار دیا اور اس حکم کی اطاعت پر جنت اور فوز عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور نافرمانی اور حدود اللہ کی پامالی کی صورت میں ہمیشہ کی آگ اور عذاب مہین کی سزا سنائی ہے۔ افسوس کہ بڑے بڑے بظاہر متقی لوگ بھی بہنوں کو ان کا حصہ نہیں دیتے، اکثر لوگ کوشش کرتے ہیں کہ جائداد بیٹوں کو دے دیں اور بیٹیوں کو محروم کر دیں۔ اسی طرح اگر کوئی وارث کمزور ہو تو اسے بھی وراثت سے حصہ نہیں

---

[1] (النساء:13)

دیتے، ان سب کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے اور اس کے رسوا کن عذاب اور ہمیشہ کی آگ سے ڈرنا چاہیے۔

**اگر بیٹیوں اور بہنوں کو حقِ وراثت دے گا تو جنت میں جائے گا:**

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مَا مِنْ رَجُلٍ تُدْرِكُ لَهُ ابْنَتَانِ فَيُحْسِنُ إِلَيْهِمَا مَا صَحِبَتَاهُ أَوْ صَحِبَهُمَا إِلَّا أَدْخَلَتَاهُ الْجَنَّةَ."

"جس شخص کی دو بیٹیاں جوان ہو جائیں اور وہ ان سے اس وقت تک اچھا سلوک کرتا رہے جب تک وہ اس کے ساتھ رہیں، یا جب تک وہ ان کے ساتھ رہے، وہ اسے جنت میں ضرور داخل کر دیں گی۔" [1]

فَيُحْسِنُ إِلَيْهِمَا میں یہ بھی آجاتا ہے کہ جو ان کا حق بنتا ہے وہ انہیں ادا کرے۔ کیونکہ اگر انہیں ان کا مقررہ حق ہی نہیں دے گا تو پھر احسان کیسا؟ اللہ ہم سب کے معاملات کی اصلاح فرمائے۔

---

[1] (سنن ابن ماجہ: 3670، حسن)

# آسمانِ علمِ حدیث کے آفتاب وماہتاب:

## شیخ محمد علی آدم الاثیوبی رحمہ اللہ

سیف اللہ ثناء اللہ بلتستانی

عالم اسلام کے علمی حلقوں میں یہ خبر انتہائی افسوس کے ساتھ سنی گئی کہ حجازِ مقدس کے محققِ دوراں، عربی زبان کے استاذِ کامل، علوم وفنون کے مجدد، عمیق النظر فقیہ، بلند پایہ محدث علامہ محمد علی آدم الاثیوبی رحمہ اللہ جمعرات کے دن بتاریخ 21 صفر 1442ھ بمطابق 8 اکتوبر 2020ء کو مکہ مکرمہ میں دو ہفتہ کی شدید علالت کے بعد وفات پاگئے۔ یہ آفتابِ علم وعرفان ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔ إنا للہ و إنا إلیہ راجعون.

ہر آنکہ زاد بنا چار بایدش نوشید
ز جام دہر کل من علیھا فان

پروردگار کے حکم کے آگے چارہ نہیں۔ بڑے بڑے انبیاء، اولیاء، اور صدیقین کے لیے بھی یہی راہ ہے جو ہم گناہگاروں کے لیے ہے، مگر ایسے نقصان، اور پھر ناقابلِ تلافی نقصان پر صدمہ ہونا ایک فطری امر ہے۔ شیخ کو جو لوگ جانتے ہیں، ان کے لیے تو ان کا نام ہی کافی ہے، مگر جو لوگ شیخ کو نہیں جانتے ان کے لیے اتنا بتلانا کفایت کرتا ہے کہ شیخ قحط الرجال اور جہل کے اس دور میں قرونِ اولیٰ کی خوشبو تھے۔

تصنیف وتالیف اور تدریس آپ کا شغلِ شاغل تھا۔ فنِ حدیث کے جملہ شعبوں سے آپ کو شوق ہی نہ تھا بلکہ شغف تھا۔ آپ نے بعض کتبِ حدیث کی بہترین، مفصل، طویل شرحیں لکھیں۔ ایک بے مثال محدث اور جامع الفنون عالم کی حیثیت سے پہچانے جاتے تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا﴾ [1]

"کیا وہ نہیں دیکھتے؟ کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آ رہے ہیں؟"

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما قرآن کریم کے اِس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"زمین کی خرابی اور ویرانی فقہاء، علماء اور اہلِ خیر کی موت سے ہوتی ہے۔" [2]

ہلال بن خباب نے سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے پوچھا:

"ابوعبداللہ! لوگوں کی ہلاکت کی نشانی کیا ہے؟"

فرمایا:

"جب ان میں علماء فوت ہونا شروع ہوجائیں۔" [3]

---

[1] (سورۃ الرعد:50)

[2] (تفسیر ابن کثیر:4/472)

[3] (سنن دارمی:247، وسندہ صحیح)

سن 2020 ہمارے لئے ''عام الحزن'' ثابت ہورہا ہے۔آئے دن ہمارے درمیان سے وہ نگینے لوگ ہمیں غم زدہ کرکے چلے جارہے ہیں، جن کی خدمات کو چند کلمات یا سطور احاطہ میں لانے سے قاصر ہیں۔علماء کا بکثرت دارِ فانی سے دارِ بقاء کی طرف کوچ کرتے چلے جانے سے مقولہ ''موت العالم موت العالم'' ایک عالم کی موت پورے عالَم کی موت ہوا کرتی ہے، صادق آرہا ہے۔اور عالم دین کی موت ایک ایسی آفت ہے جس کا ازالہ نہیں ہوسکتا، اور ایک ایسا خلا ہے جو پُر نہیں کیا جاسکتا۔

افق کے اس پار کوئی علمی اکھ ہے شاید
بڑی تمکنت سے اہل دل اٹھے جا رہے ہیں

شیخ اثیوبی رحمہ اللہ میرے ناقص علم کے مطابق فی زمانہ علم الحدیث والرجال کے سب سے بڑے عالم تھے۔مجھے شیخ سے شرفِ تلمذ حاصل رہا، دارالحدیث الخیریہ مکہ میں زمانہ طالب علمی میں دوسال استفادہ کیا۔شیخ سے تدریب الروای جو مصطلح الحدیث کی مایہ ناز کتاب ہے پڑھی ہے۔پھر شیخ کے خصوصی انداز میں سنن الترمذی کی ان کی اپنی شرح پڑھی۔اور شیخ دونوں میدانوں میں یدِطولی ومہارتِ تامہ رکھتے تھے۔جب شرح کرنے لگتے تھے تو ایسا لگتا تھا کہ علم کے چشمے پھوٹ رہے ہیں۔شیخ علمِ حدیث و مصطلح میں ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھے۔عموماً ہماری ناقص عقل شیخ کے متبحرانہ کلام اور غیر معمولی صلاحیتوں کے سامنے دنگ رہ جاتی۔

اگر یہ کہا جائے تو شاید مبالغہ نہ ہوگا، کہ علومِ حدیث ورجال میں وسعت وعبور کے اعتبار سے نویں صدی ہجری کے محقق، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے بعد شیخ محمد علی آدم الاثیوبی ان گنے چنے اشخاص میں سے ہیں جو رجال وعللِ احادیث پر مجتہدانہ کلام کرتے ہیں، اور اس میں کسی قسم کی ''تقلید'' سے کام نہیں لیتے۔ورنہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے بعد آنے والے علمائے کرام نقدِ احادیث وفحصِ رجال کے سلسلے میں اکثر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ پر اعتماد کرتے ہیں۔اس امر کا ہمیں شیخ سے پڑھتے ہوئے بخوبی اندازہ ہوا، جب شیخ سنن ترمذی یا تدریب الراوی کی کلاس میں ابن حجر رحمہ اللہ کے اقوال کا تذکرہ کرتے۔شیخ موصوف علمائے جرح وتعدیل اور محدثین عظام سے والہانہ شیفتگی رکھتے تھے۔شیخ نے اپنی ساری زندگی محدثین کرام، ان کے مسلک اور کارنامہ ہائے زریں سے گہرے تعلق کی راہ میں صرف کردی۔

شیخ محترم کا پورا نام محمد بن علی بن آدم بن موسی الاثیوبی ہے۔اتیوبی (ت کے ساتھ) یا اثیوبی (ث کے ساتھ) دونوں طرح کہہ سکتے ہیں۔شیخ اکثر اپنی کتابوں میں اتیوبی لکھا کرتے تھے، اور عرب اہل علم میں اثیوبی معروف تھے۔شیخ کی پیدائش ایتھوپیا میں 1366ھ میں ہوئی۔آپ کے والد محترم، خود ایک بہت بڑے اصولی، محدث اور جید عالم دین تھے۔انہوں نے اپنے بیٹے کی بہترین پرورش ودینی تربیت کی، اور شیخ میں شرعی علوم سے رغبت کی لہر پیدا کی، جس کے نتیجے میں شیخ بچپن ہی سے علم سے محبت کرنے والے بن گئے۔شیخ اکثر اپنے والد محترم کا ذکر خیر کرتے تھے اور کہتے تھے اگر میرے والد نے مجھ پہ توجہ نہ دی ہوتی تو آج میں کچھ بھی نہ ہوتا۔

والد محترم نے بچپن میں خود حفظ قران شروع کروایا، جو بعد ازاں علاقہ کے معروف شیخ محمد قیو رحمہ اللہ سے مکمل کیا۔اس کے بعد اپنے علاقے کے دینی مدرسہ میں پڑھائی شروع کردی، اور اپنے علاقے کے مشائخ سے استفادہ بھی کرتے رہے۔

شیخ کے بہت سارے اساتذہ ہیں اور سب کا ذکر اس مختصر تحریر میں ممکن نہیں۔لیکن مختصراً شیخ کے بعض اساتذہ کا ذکر کردیتے ہیں:

① اپنے والد محترم سے عقائد، فقہ حنفی، اصول الفقہ اور دیگر مختلف فنون پڑھے، اور ان سے اجازہ حاصل کیا۔

② الشیخ محمد قیو بن ودی سے قران مجید حفظ کیا۔

③ الشیخ محمد زین بن محمد الدانی پرانہوں نے صحیح مسلم مع شرح النووی اور مختلف کتب پڑھیں۔

④ الشیخ محمد سعید بن الشیخ علی الدری کے پاس شیخ تین سال ٹھہرے اور ان سے صحیحین، نحو، صرف، مقولات عشر، آداب البحث والمناظرہ، الفواکہ الجنیة للفاکہی، الفیہ ابن مالک مع شرح ابن عقیل مع حاشیہ الخضری، مجیب النداء شرح قطر الندی مع حاشیہ یاسین الحمصی، مغنی اللبیب مع حاشیتی الدسوقی والامیر، شافیہ ابن حاجب مع شرحہ، بلاغہ میں تلخیص القزوینی کی شروحات اور حواشی، منطق میں سلم المنورق اور اس کی شروحات وحواشی، ایساغوجی مع شروحات، شمسہ کا متن، علم الوضع، اصول الفقہ میں المنار اور اس کی شروحات پڑھیں۔ شیخ نے ان سے علوم العربیہ اور مختلف علومِ آلہ میں پختگی حاصل کی۔

⑤ الشیخ عبدالباسط بن محمد بن حسن الاثیوبی البورنی المناسی سے مختلف علوم عربیہ سیکھے۔

⑥ علامہ الشیخ محمد بن رافع بن بصیری سے الکتب الستہ (سوائے بخاری) کے پڑھیں اور اجازہ بھی حاصل کیا۔

⑦ مفسر شیخ محمد ثانی بن حبیب الاثیوبی پر سبکی کی جمع الجوامع مع شروحات وحواشی پڑھی۔ شاطبیہ کا بعض حصہ اور دیگر کتب بھی پڑھیں۔

⑧ شیخ عبدالجلیل بن الشیخ علی البریدی پر دوبار تفسیر پڑھی۔

⑨ محدث شیخ محمد المنتصر الکتانی کے بعض دروس میں حاضر ہوئے اور حدیث کا اجازہ بھی حاصل کیا۔

⑩ الشیخ ادریس قیو پر امام نووی کی منہاج الطالبین کے اکثر اجزاء پڑھے جو کہ فقہ شافعی کی کتاب ہے۔

**تلك عشرة كاملة**

جب ایتھوپیا میں کمیونزم کا دور دورہ ہوا تو شیخ ہجرت کر کے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ جب شیخ محترم مکہ آئے تو ان کے پاس ڈگری نہیں تھی۔ شیخ کے احباب نے ترغیب دی کہ ادھر کسی مدرسہ میں پڑھائیں۔ شیخ جب مدارس میں بطور استاذ گئے تو انہوں نے ڈگری مانگی۔ چنانچہ شیخ ڈگری نہ ہونے کی بنا پر تدریس کا کام شروع نہ کر سکے، بلکہ انہوں نے معہد الحرم (حرم مکی کے اندر دینی درسگاہ) میں داخلہ لے لیا۔ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے ابن تیمیہ اور ابن القیم کی کتب پڑھیں تو مجھ پر واضح ہوا کہ اشاعرہ غلطی پر ہیں اور میں نے اپنے عقیدے کی تصحیح کی۔ پھر معہد میں کچھ سال پڑھنے کے بعد تعلیم مکمل کرنے کی غرض سے دارالحدیث چلے گئے۔ جب داخلہ کے لیے انٹرویو ہوا تو ممتحن سمجھ گیا کہ یہ کوئی عام طالب علم نہیں، بلکہ بڑا عالم ہے۔ اس نے دارالحدیث کے مدیر شیخ علی عامر العقلا رحمہ اللہ کو بتلایا کہ یہ شخص زبردست عالم دین ہے، بس ان کے پاس اعلی تعلیم کی ڈگری نہیں ہے، تو وہ کہنے لگے ہمیں بھی علم کی ہی ضرورت ہے، ڈگری کی نہیں۔ چنانچہ ان کا نام دارالحدیث کی مجلس اعلی کو بھجوا دیا گیا جس کے رئیس مفتی اعظم سعودیہ شیخ عبدالعزیز ابن باز رحمہ اللہ تھے۔ اور ہمارے بعض اساتذہ بتاتے ہیں کہ شیخ بن باز نے بھی ان کا انٹرویو لیا اور ان کی وسعت علمی پر حیران ہوئے۔ بہر حال مجلس اعلیٰ نے انہیں ڈگری کے بغیر ہی مدرس مقرر کر دیا۔ اس کے بعد شیخ تا دمِ آخریں دار الحدیث مکہ میں ہی مدرس رہے۔ یعنی شیخ جدھر پڑھنے آئے تھے ادھر پڑھانے لگ گئے۔ اللہ اکبر!

دارالحدیث ابھی تو مکہ میں حرم سے دور عوالی میں ہے لیکن اس سے پہلے حرم کے قریب اجیاد میں تھا۔ تو شیخ صبح دارالحدیث میں پڑھاتے اور رات کو دارالحدیث کی مسجد میں علمی دروس دیا کرتے تھے۔ الحمدللہ میں نے جب دارالحدیث میں داخلہ لیا تھا، تو پڑھائی کی شروعات اجیاد سے کی۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ شیخ اس وقت روزانہ مغرب یا عشاء کے بعد مسجد میں کوئی کتاب پڑھایا کرتے تھے۔

شروع شروع میں جب شیخ نے تصنیف کا کام شروع کیا، تب شیخ اپنے ہاتھ سے لکھا کرتے تھے اور ان کا خط قدیم مخطوطات کی طرح غیر

واضح ہوتا، بلکہ خط پہچاننا بہت مشکل تھا۔ پھر کسی عقیدت مند نے کمپیوٹر پر کیبورڈ کے ذریعہ لکھنا سکھا دیا۔شروع میں شیخ کو کیبورڈ پر لکھنے کے لئے دشواری پیش آئی، مگر شیخ نے ٹائپ کرنا سیکھ ہی لیا۔اسکے بعد شیخ جہاں بھی جاتے لیپ ٹاپ لے جاتے، اور ذرا بھی فرصت کیا ملتی لیپ ٹاپ کھول کر لکھنا شروع کر دیتے۔صبح وشام جب جب موقع ملتا تو لکھتے رہتے تھے۔بلکہ میں نے کئی بار شیخ کو دیکھا کہ پیریڈ کے درمیان کوئی دس پندرہ منٹ کا وقفہ بھی ہوتا تو اس میں بھی لکھتے۔شیخ نے لکھنے میں اتنی مہارت حاصل کر لی تھی کہ بڑے بڑے رواں کمپوزرز بھی پیچھے رہ جاتے تھے۔ شروع میں شیخ اپنی کتابیں چھپوانے کا کوئی معاوضہ نہیں لیتے تھے،بعض ناشرین نے اس کا بدترین فائدہ اٹھایا اور شیخ صاحب کا خرچہ بہت بڑھ گیا۔ پھر بعض مشائخ کی نصیحت پر شیخ نے معاوضہ لینے کی حامی بھر لی۔ وہ بھی صرف اس لئے کہ تصنیف کا کام جاری وساری رہ سکے اور کوئی رکاوٹ نہ آئے۔

شیخ کی تمنا تھی کہ وہ حرم میں پڑھائیں۔لیکن اس وقت حرم میں غیر ملکیوں کو پڑھانے کی اجازت نہ تھی، شیخ کے نشرِ علم کے جذبہ نے ان کو نیشنلٹی لینے کی کوشش میں لگا دیا۔میں مکہ میں دار الحدیث میں پڑھتے ہوئے مکہ کے ایک معروف شیخ ابوعبدالعزیز عبداللہ بن احمد البخیت کے پاس ویکنڈ میں ان کی خدمت پر مامور ہوتا تھا۔ وہ مکہ کے نیشنل سیکیورٹی گارڈز کے دینی شعبہ کے سربراہ تھے اور بڑے بڑے لوگوں تک شیخ کی پہنچ تھی۔ بادشاہِ وقت سے بھی اچھے تعلقات تھے۔آج کل شیخ بخیت صاحب فراش ہیں، اللہ ان کو شفا دے، آمین۔تو ایک دن میں شیخ بخیت کے ساتھ حرم کے قریب فائیوسٹار ہوٹل گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ شیخ اثیوبی شیخ کا انتظار کر رہے ہیں۔شیخ بخیت کے ملنے کے بعد میں بھی شیخ اثیوبی سے ملا اور سر پر بوسہ دیا۔ پھر شیخ اثیوبی متعجبانہ انداز میں دیکھتے ہوئے مجھ سے پوچھنے لگے تم شیخ بخیت کے بیٹے ہو؟ شیخ بخیت مسکرانے لگے۔ میں نے بتایا کہ میں شیخ کے پاس کام کرتا ہوں۔ پھر شیخ بخیت نے مجھے بتایا کہ ہم فلاں امیر جو شاہی خاندان کا فرد ہے اور سعودی وزارت داخلہ میں بڑے اہم منصب پر فائز ہے، اس سے شیخ کے معاملہ میں بات کرنے آئے ہیں۔تم ذرا احتیاط سے پیش آنا۔ میں ڈر گیا کہ پتہ نہیں اتنا بڑا کیا مسئلہ ہو گیا کہ ملک کی اتنی اہم شخصیت سے ملنا پڑا ہے۔ بہرحال جب امیر صاحب تشریف لائے، تو مجھے شیخ بخیت نے کہا بہتر ہے تم قریب والے صوفہ پر بیٹھ جاؤ۔ میں ساتھ والے صوفہ پر بیٹھ گیا، لیکن تجسس انسانی فطرت ہے، اسی تجسس نے مجھے سننے پر مجبور کر دیا۔ میں اتنی بات سمجھ سکا کہ شیخ بخیت امیر صاحب کو اس بات پر قائل کر رہے ہیں کہ شیخ اثیوبی جنسیہ (سعودی نیشنلٹی) کے مستحق ہیں اور شیخ کو نیشنلٹی دینے سے حکومت کا بہت فائدہ ہے وغیرہ وغیرہ۔ جب مجلس ختم ہوئی تو میں نے شیخ اثیوبی سے پوچھ ہی لیا۔ بتانے لگے: بیٹا میں نیشنلٹی لینے کی کوشش میں ہوں، کیونکہ میری تمنا ہے کہ میں مرنے سے پہلے حرم مکی میں پڑھا لوں۔ اور حرم میں درس دینے کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ سعودی نیشنلٹی والا ہو۔ اس لیے میں صرف درس دینے کے لیے نیشنلٹی لینا چاہتا ہوں۔ دنیاوی مال ومتاع ہرگز مقصود نہیں ہے۔ آپ بھی میرے لیے دعا کرو کہ میں مرنے سے پہلے حرم میں درس دوں۔ میں نے کہا: شیخ صاحب ان شاء اللہ آپ کو نیشنلٹی ضرور ملے گی۔

اس معاملہ کو مہینے اور سال گزر گئے لیکن جواب ندارد، شیخ کو نیشنلٹی نہیں ملی۔ لیکن شیخ نے اپنے علمی دروس مکہ کی ایک مسجد میں جاری رکھے۔ کچھ عرصہ بعد میں دار الحدیث سے فارغ ہو کر ریاض میں جامعہ امام میں چلا گیا۔ وہاں یہ خوشخبری ملی کہ شیخ کو حرم میں اپنے علمی دروس دینے کی اجازت مل گئی ہے اور نیشنلٹی کی شرط میں حکومت نے تھوڑی سی لچک پیدا کر لی ہے، الحمد للہ۔

اگر ہم اسی طرح بات کرتے رہے تو باتیں ختم نہیں ہوں گی۔ اس مختصر سی تحریر میں سب یادداشتوں کا ذکر ممکن نہیں ہے۔ اصولاً شیخ کے متعلق کوئی مختصر تحریر نہیں، بلکہ پوری کتاب لکھنی چاہیے۔ اور افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے طلبہ تو چھوڑیے، بہت سے مشائخ کو ایسی ہمہ جہت

ہستی کا پتہ ہی نہیں!

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کی تصنیفات وتالیفات کا بالاختصار ذکر کردیا جائے۔

۱) ''ذخيرة العقبى في شرح المجتبى'' جو کہ سنن نسائی کی سب سے بہترین شروح میں سے ایک ہے۔اور یہ مفصل وطویل شرح 42 جلدوں پر مشتمل ہے۔شیخ نے اس میں اسانید اور متونِ حدیث پر دقیق گفتگو کی ہے۔ 170 صفحات پر مشتمل بہترین مقدمہ بھی لکھا ہے۔اس شرح کو لکھنے میں شیخ کو 15 پندرہ سال لگے۔محدث دیارِ یمن شیخ مقبل بن ہادی الوادعی رحمہ اللہ اس کتاب کے متعلق فرماتے ہیں: ''یہ شرح بہترین شروحاتِ حدیث میں سے ایک ہے، اور فتح الباری کے انداز میں لکھی گئی ہے۔اکثر شیخ کی ترجیحات پر میں مطمئن ہوتا ہوں کیونکہ وہ دلیل پر مبنی ہوتی ہیں۔'' محدث مدینہ شیخ عبدالمحسن العباد سے پوچھا گیا کہ سنن نسائی کی سب سے بہترین شرح کونسی ہے تو جواب میں فرمایا: شیخ محمد علی آدم الاثیوبی کی شرح۔ایک دفعہ فضیلۃ الشیخ صالح الفوزان رحمہ اللہ دار الحدیث آئے تو شیخ اثیوبی سے کہنے لگے: شیخ ہم آپ کی نسائی کی شرح سے بہت استفادہ کرتے ہیں۔اسی طرح بڑے بڑے علماء نے اس شرح کی تعریف کی ہے۔

۲) "البحر المحيط الثجاج في شرح صحيح الإمام مسلم بن الحجاج'' یہ کتاب صحیح مسلم کی شرح ہے جو 45 جلدوں پر مشتمل ہے۔

۳) "مَشَارِق الْأَنْوَار الوهاجة ومطالع الْأَسْرَار البهاجة في شرح سنَن الإِمَام ابْن مَاجَه'' جو کہ سنن ابن ماجہ کی نامکمل شرح ہے۔اس کی 4 جلدیں مطبوع ہیں۔

۴) "إتحاف الطالب الأحوذي بشرح جامع الإمام الترمذي'' سنن ترمذی کی نامکمل شرح ہے۔18 جلدیں طبع ہوئی ہیں۔ آخری دروس میں شیخ یہی تمنا کرتے تھے کہ کاش! میں اس شرح کو اپنی موت سے پہلے مکمل کرلوں، لیکن اس دنیا فانی سے چل بسے۔

۵) "الدرة المضية في نظم توحيد رب البرية'' جو کہ توحید پر منظوم کتاب ہے۔اس کتاب کو ''الفية التوحيد'' بھی کہا جاتا ہے۔اس میں 1002 اشعار میں مکمل توحید کو بیان کیا گیا ہے۔اس کی شرح بھی شیخ نے خود کی ہے جس کا نام "المنة الرضية شرح الدرة المضية'' ہے۔

۶) "إسعاف ذوي الوطر في شرح نظم الدرر'' یہ شیخ کی الفیۃ السیوطی پر مختصر شرح ہے۔شیخ کی الفیہ پر ایک مفصل وطویل شرح بھی ہے، وہ فی الحال چھپ نہیں سکی۔ یہ کتاب دو جلدوں میں ہے۔

۷) "قرة عين المحتاج في شرح مقدمة صحيح مسلم'' جو کہ شیخ کی ''مقدمہ صحیح مسلم'' کی بہترین شرح ہے۔دو جلدوں پر مشتمل ہے۔

۸) "منظومة عمدة المحتاط في معرفة أسماء من رمي بالاختلاط'' یہ شیخ کی منظوم کتاب ہے جس میں شیخ نے ان ثقات راویوں کا ذکر کیا ہے جن کے اختلاط کے متعلق گفتگو کی گئی ہے۔اس پر شیخ کی اپنی شرح بنام "عدة أولي الاغتباط في شرح عمدة المحتاط'' بھی موجود ہے۔

۹) "الجوهر النفيس في نظم أسماء ومراتب الموصوفين بالتدليس'' یہ بھی منظوم کتاب ہے جس میں شیخ نے مدلسین کا ذکر کیا

ہے۔اس میں تقریباً118 اشعار ہیں۔

۱۰) ”شافية الغلل بمهمات علم العلل“ یہ علم العلل کی الفیہ ہے،جس میں ایک ہزار سے زائد اشعار میں علم العلل کے مسائل کا احاطہ کیا گیا ہے۔اس میں شیخ نے علل الترمذی اور شرح علل الترمذی لابن رجب کا خلاصہ پیش کیا ہے۔اس منظوم کی مختصر شرح بعنوان ”مزيل الخلل عن ابيات شافية الغلل“ بھی شائع ہو چکی ہے۔

۱۱) ”إتحاف النبيل بمهمات علم الجرح و التعديل“ یہ بھی شیخ کی منظوم کتابوں میں سے ہے جو انہوں نے جرح وتعدیل پر لکھی تھیں۔اس میں 700 کے قریب اشعار ہیں۔اس کی بھی شرح شیخ نے خود بنام ”إيضاح السبيل شرح إتحاف النبيل بمهمات علم الجرح و التعديل“ کر رکھی ہے۔

۱۲) ”تذكرة الطالبين في بيان الموضوع و أصناف الوضاعين“ یہ بھی منظوم ہے اور اس میں 150 اشعار ہیں۔اس میں موضوع احادیث اور اس کی اصناف کا بیان ہے۔اور اس کی شرح شیخ نے ”الجليس الأمين شرح تذكرة الطالبين في بيان الموضوع و أصناف الوضاعين“ کے نام سے کی ہے۔

۱۳) ”قُرَّة العَين في تلخِيص تَراجم رجَال الصَّحِيحَين“ اس کتاب میں شیخ نے صحیحین کے رجال کا مختصر انداز میں ذکر کیا ہے۔ یہ کتاب شیخ بعض طلبہ کو ہدیہ بھی کرتے تھے اور حفظ کرنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔کیونکہ انہوں نے یہ خود حفظ کی غرض سے کاغذ کے مختلف ٹکروں پر لکھی تھی۔بعد میں شیخ کو بعض احباب نے ترتیب لگا کر شائع کرنے کی ترغیب دلائی۔یہ کتاب دراصل اس موضوع پر پانچ کتابوں کا خلاصہ ہے۔

۱۴) ”التحفة المرضية في نظم المسائل الأصولية على طريقة أهل السنة السَّنِية“ یہ شیخ کی اصول الفقہ پر منظوم کتاب ہے جس میں تقریباً 3074 اشعار ہیں۔اس کی شرح بنام ”المنحة الرضية فی شرح التحفة المرضية فی نظم المسائل الا ٔصولية علی طريقة أہل السنة السنية“ کی جو تین جلدوں پر مشتمل ہے۔

۱۵) ”الجليس الصالح النافع بتوضيح معاني الكوكب الساطع“ یہ امام سیوطی کی منظوم کتاب الکوکب الساطع کی شرح ہے، جو کہ اصول الفقہ کی بہترین کتابوں میں سے ہے۔

۱۶) ”فتح الكريم اللطيف شرح أرجوزة التصريف“ یہ شیخ نے اپنے استاذ اور سیبویہِ وقت شیخ عبد الباسط بن محمد بن حسن البورنی المناسی رحمہ اللہ کی منظوم کتاب ”ارجوزة التصريف“ جو کہ 770 اشعار پر مشتمل ہے،اس کی لطیف ومختصر شرح کی ہے۔

۱۷) ”البهجة المرضية فى نظم المتممة الآجرومية لتقريب المسائل النحوية“ یہ شیخ نے نحو کی معروف کتاب ”المتممة الاجرومية“ کو منظوم شکل میں پیش کرنے کی ایک بہترین کاوش کی ہے، جو کہ تقریباً 762 اشعار پر مشتمل ہے۔اور اس کی شرح ”المنة المرضية شرح البهجة المرضية“ کے نام سے کی ہے۔

۱۸) ”رفع الغين في ثبوت زيادة (وبركاته) في التسليم من الجانبين“ یہ مختصر رسالہ نماز کے آخر میں سلام کے وقت لفظ ”وبرکاتہ“ کہنے کے اثبات پر ہے۔

۱۹) ”قصیدة فی الرد علی بكر بن حماد الشاعر المغربی فی ذمہ علم الحديث وأہلہ“ یہ شیخ کے قصائد ہیں جوانہوں نے حدیث اور محدثین عظام کے

دفاع میں ایک مغربی شاعر کے رد میں لکھے ہیں۔

۲۰) ”الفوائد السمية في قواعد و ضوابط علمية“ اس علمی منظوم میں شیخ نے مختلف علوم کے فوائدِ علمیہ ونکات جلیلہ کا ذکر منظوم انداز میں کیا ہے۔ دارالحدیث کے بعض طلبہ یہ منظومہ یاد کیا کرتے تھے۔

۲۱) ”الرد المبكي على المجرم الدنمار كي“ ڈنمارک میں جب رسول اللہ ﷺ پر خاکے بنائے گئے تو شیخ نے اس کے رد میں یہ نظم کہی۔

**شیخ کی دیگر کتب یہ ہیں:**

۲۲) نظم إتحاف أهل السعادة بمعرفة أسباب الشهادة.

۲۳) بغية طالب السعادة شرح إتحاف أهل السعادة.

۲۴) فتح القريب المجيب شرح مدني الحبيب نظم مغني اللبيب.

۲۵) نظم مختصر في علم الفرائض.

۲۶) البحر المحيط الأزخر في شرح نظم الدرر في علم الأثر.

۲۷) مجمع الفوائد و منبع العوائد بذكر الأثبات و الأسانيد.

۲۸) مواهب الصمد لعبده محمد في أسانيد كتب العلم الممجد، یہ شیخ کی اپنی اسانید اور اجازات پر مشتمل ہے۔ میں نے بھی شیخ سے اس کتاب پر اجازہ لیا تھا۔

۲۹) نظم الأحاديث المتواترة.

۳۰) رجز في علمي العروض و القوافي.

۳۱) إتحاف ذوي الهمة بمسائل مهمة.

۳۲) منهج الطلاب لتحصيل الآراب.

۳۳) الدرة المحبرة في وجوه الترجيحات المحررة.

۳۴) الباعث الحثيث في نصيحة طلاب دار الحديث.

۳۵) بهجة العقول في نظم ما بُنِي للمجهول.

۳۶) نيل المأمول من معاني بهجة العقول.

۳۷) نظم خاتمة المصباح.

۳۸) نظم رسالة علوم التفسير لابن تيمية.

۳۹) شرح عقود الجمان في البلاغة.

شیخ کی بہت سی کتابیں ابھی تک زیورِ طبع سے آراستہ نہیں ہوئی۔ شیخ اپنی کتابوں میں اپنے نام کے آگے بڑے بڑے القابات لگانے سے گریز کرتے، جو آج کل متعالمین کا وتیرہ بن چکا ہے۔ شیخ اکثر خود کو ”خویدم العلم“ یعنی علم کا ادنی سا خادم لکھا کرتے تھے۔

دارالحدیث کے طلبہ ہمیشہ شیخ کی موسع کتب خریدنے کی تمنا کیا کرتے تھے۔ کبھی کبھی یوں ہوتا کہ شیخ کے بعض مالدار محبین، بڑی کتب

کے ٹرک بھر کے لاتے اور طلبہ میں تقسیم کر دیتے۔ میں نے خود طلبہ کو کتابیں ملنے پر فرطِ محبت سے روتے ہوئے اور سجدہ شکر بجا لاتے ہوئے دیکھا۔سبحان اللہ، کیسا علمی ماحول اور یادگار زمانہ تھا۔

مجھے افسوس بہر حال رہے گا کہ میں شیخ سے کما حقہ استفادہ نہ کر سکا اور اس چشمہِ صافی سے اپنے آپ کو سیراب نہ کر سکا۔شیخ کے جو خاص طلبہ ہیں، وہ ''ایں خانہ ہمہ آفتاب است'' کا مصداق ہیں، اکثر دار الحدیث میں پڑھاتے ہیں، ایک سے بڑھ کر ایک ذہین اور حفظ میں اعلیٰ درجہ والے ہیں۔

شیخ کے اکثر دروس اور کتابیں نیٹ پے دستیاب ہیں جو کہ آسانی سے مل جاتی ہیں۔ میری نصیحت ہے کہ شیخ کی کتابوں اور دروس علمیہ سے بھر پور استفادہ کیا جائے۔

اللہ شیخ کو جنت الفردوس میں مقام عظیم عطا فرمائے۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے<br>
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

(ویرحم اللہ عبداً قال آمینا)

MONTHLY
AL-MAHAJJA
ONLINE

محدث العصر مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

”اصل انقلاب تبدیلی حالتِ افراد ہے، ہمیں چاہیے کہ اپنے آپ میں انقلاب لانے کی کوشش کریں، ہماری اخلاق حالت نہایت ابتر ہو چکی ہے، ہم نے کبھی کسی کا بھلا نہیں سوچا، کسی کے لیے خیرخواہی کی امید بھی ہم سے نہیں کی جا سکتی۔ جو لوگ بڑی آسانی سے اپنی حکومتوں کا شکوہ کر لیتے ہیں، مادی نقطہ نظر سے بے شک اس کی معقول وجوہ ہوں گی، لیکن معلوم ہونا چاہیے کہ پیش آمدہ مصیبت کے پیچھے کچھ روحانی اسباب بھی ہوا کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے ہم نے اپنا کردار کہاں تک سنوارا ہے؟ ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں! کیا ہم اس لائق ہیں کہ ہمیں صالح کہا جاسکے؟ ان حالات میں صالح حکومت کی خواہش کیا ہمارے حسبِ حال ہے؟“

(خطبات مولانا محمد اسماعیل سلفی: 169